# انوار سہیلی کی کہانیاں

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

# انوار سہیلی کی کہانیاں

رفیعہ شبنم عابدی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

# انوار سہیلی کی کہانیاں

رفیعہ شبنم عابدی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک ۔ 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی ۔ 110 066

پہلی اشاعت : 1988

تیسری طباعت : جنوری 2009

تعداد : 1100

قیمت : -/23 روپے

سلسلہ مطبوعات : 581


**Anwar-e-Sahele Ke Kahaniyan**

*by:* Rafia Shabnam Abidi


**ISBN : 81-7587-267-5**

---

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر. کے. پورم، نئی دہلی۔110066

فون نمبر: 26103938، 26103381، 26179657، فیکس: 26108159

ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: آئی۔جی۔ پرنٹرس، 104، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز۔I، نئی دہلی۔110 020

Printed at: I G Printers Pvt. Ltd., 104, DSIDC, Okhla Phase-I, N.Delhi
on 70 gsm Maplitho Paper Ballarpur (BILT)

# پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔ ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔

**ڈاکٹر علی جاوید**
ڈائرکٹر

# فہرست

# پیش لفظ

کہانی کا رواج زمانۂ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ جب انسان جنگلوں میں رہتا تھا اور شکار کا گوشت یا جنگلی پھل پھول کھا کر زندگی بسر کرتا تھا، اس وقت بھی کہانی انسان کی زندگی میں موجود تھی۔ دن بھر شکار کے لیے پریشان انسان جب شام کو تھکا ہارا واپس اپنے ٹھکانے پر لوٹتا تھا تو آگ کے گرد، شکار بھونتے ہوئے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے دن بھر کے تجربات بڑی دلچسپی سے سناتا تھا۔ یہیں سے قصّے یا کہانی کی ابتدا ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد جب یہی انسان تہذیب یافتہ ہو کر گاؤں، دیہاتوں اور شہروں تک پہنچا تو کہانی بھی اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی رہی اور اس کی زندگی کی ترجمانی کرتی رہی۔ اس کے کردار وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے۔ کبھی یہ جن، دیو اور پری کی شکل میں آئے اور کبھی جانوروں اور پرندوں کی زبان سے زندگی کی حقیقتیں بیان کی گئیں۔ کبھی شہزادوں، وزیروں، وزیرزادوں اور تاجروں کی زبان سے کہانیاں سنائی گئیں اور پڑھنے اور سننے

والوں کو نصیحتیں کی گئیں۔

ہمارا ملک ہندوستان تو ابسی حکایتوں اور کہانیوں کا خاص مرکز رہا ہے۔ ہماری قدیم کہانیاں "پنچ تنتر" اور " ہتو پدیش" کی شکل میں دنیا کے سامنے آئیں۔ جن کے ذریعے باتوں باتوں میں کئی اخلاقی سبق سکھائے گئے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں ان کہانیوں کے ترجمے ہوئے اور پھر ہندوستان کی کہانیاں دنیا بھر میں گھوم پھر کر دوبارہ ہندوستان لوٹ آئیں۔

"انوارِ سہیلی" میں جو کہانیاں شامل ہیں وہ بھی دراصل انہیں ہندوستانی کہانیوں سے لی گئی ہیں۔ ہندوستان کے ایک ذہین برہمن نے یہ کہانیاں اپنے بادشاہ کی اخلاقی اصلاح کی خاطر لکھی تھیں۔ پھر یہ ایرانیوں کے ہاتھوں دنیا بھر میں پہنچیں۔ یہ کہانیاں زندگی میں ہونے والے چھوٹے چھوٹے واقعات، چھوٹی چھوٹی باتیں سناتی ہیں۔ ان کے کردار جانوروں کے ہیں اور اصل قصہ دو لومڑیوں کی زبانی بیان کیا گیا ہے جن کے نام "کلیلہ" اور "دمنہ" ہیں۔ ان دونوں لومڑیوں کی زبانی کہانیوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ جن کی تعداد تقریباً سو ہے اور ان میں خوبصورت انداز میں سیاست، حکومت اور اخلاق کے سبق دیے گئے ہیں۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ آج — جب ہمارے بچوں اور نوجوانوں کے لیے نصیحتوں کا کوئی سلسلہ خاص طور پر موجود نہیں ہے انھیں اس قسم کی کہانیوں سے واقف کرایا جائے۔ اسی مقصد سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ "انوارِ سہیلی" تقریباً سو کہانیوں پر مشتمل ہے۔ ان
یہ کہانیاں ایک دوسرے کے ساتھ اتنی جڑی ہوئی ہیں کہ ان کو الگ کرنا دشوار ہے۔
پھر بھی کچھ کہانیاں ایسی ہیں جو مختصر ہیں اور اپنی الگ حیثیت بھی رکھتی ہیں اور ساتھ
ساتھ ان میں کوئی نصیحت یا سبق بھی چھپا ہوا ہے۔ اس کتاب میں ایسی ہی کہانیاں
کو لیا گیا ہے اور چھیالیس کہانیوں کو آسان اردو میں پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے
ہمارے بچے اور نوجوان اسے پسند کریں گے۔

(ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی)

# ملا حسین واعظ کاشفی

ملا حسین واعظ کاشفی کا پورا نام مولوی کمال الدین حسین تھا۔ وہ علی واعظ کاشفی کے لڑکے تھے اور تیمور کے پرپوتے سلطان حسین مرزا کے زمانے میں مشہور ہوئے۔ سلطان حسین مرزا اس وقت خراسان کا بادشاہ تھا۔ ملا حسین کاشفی کی تاریخ پیدائش کا صحیح پتہ اب تک نہیں چل سکا ہے اور ان کے حالات زندگی کے متعلق بھی بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ وہ ہرات میں ایک معزز عہدے پر فائز رہے اور 30 جون 1905ء میں انتقال کیا۔

ملا حسین واعظ کاشفی بہت سے علوم جانتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ خاص طور پر وہ علم نجوم سے بخوبی واقف تھے شاعری سے بھی انھیں بے حد دلچسپی تھی اور اسی کے ذریعے وہ شاہی دربار تک پہنچے اور سلطان مرزا نے ان کی قابلیت سے خوش ہو کر انھیں اپنے دربار میں جگہ دی سلطان حسین مرزا بھی علم دوست بادشاہ تھا۔ اس کے دربار میں اس زمانے کے مشہور شاعر جامی اور مشہور

معتوبہزاد بھی موجود تھے۔ اس کا دربار ایشیا میں علم و فضل کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور بابر کے قول کے مطابق "ساری دنیا بھی اس وقت ہرات کی برابری نہیں کر سکتی تھی۔" اس کا دربار علماء و فضلاء سے بھرا رہتا تھا۔ مشہور تاریخ نویس خوندمیر اس کا مصاحب اور امیر علی شیر اس کا وزیر تھا۔ وہ خود بھی ایک اچھا شاعر اور ادیب تھا اور شاعروں اور ادیبوں کی پرورش بھی کرتا تھا۔ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کے دور میں کاشفی نے کافی علمی کام کیا اور بے شمار کتابیں لکھیں جن میں سے ایک "انوارِ سہیلی" بھی ہے۔ چونکہ یہ کتاب سلطان حسین مرزا کے سپہ سالار امیر نظام الدین احمد سہیلی کی فرمائش پر لکھی گئی اس لیے کاشفی نے اس کا نام "انوارِ سہیلی" رکھا۔ اردو میں وقتاً فوقتاً اس کے کئی ترجمے ہوئے۔ زیرِ نظر کتاب میں شامل کہانیاں بھی "انوارِ سہیلی" سے ماخوذ ہیں لیکن ترجمہ کرنے کی بجائے اسے آزادانہ تحریر کیا گیا ہے۔

# انوارِ سہیلی کے بارے میں

"انوارِ سہیلی" ایک مشہور اخلاقی اور ادبی کتاب ہے جو اشاعت کے بعد سے آج تک مسلسل فارسی کی مشہور کتابوں میں شمار ہوتی آئی ہے۔ یہ کتاب مختلف ناموں سے مشہور ہے۔ مثلاً 1۔کلیلہ ودمنہ۔ 2۔ حکایات بید پائی یا پیل پائی۔ 3۔عیارِ دانش وغیرہ۔ یہ کتاب ہندوستان کے بادشاہ رائے دابشلیم کی فرمائش پر اس کے دور کے مشہور فلسفی بید پائی جسے پیل پائی یا وید یا پتی بھی کہا جاتا ہے، نے لکھی۔ جس میں چھوٹی چھوٹی حکایتیں ہیں اور ان میں اپنا مقصد اشاروں اشاروں میں بیان کیا گیا ہے چھوٹی چھوٹی حکایتوں اور قصّوں کا یہ سلسلہ تقریباً سو کہانیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ان میں اکثر پرندوں اور جانوروں نے اہم کردار ادا کیے ہیں اور انھیں کی زبانی نصیحتیں کی گئی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب بادشاہ کی ناراضگی کا خوف تھا۔ اس لیے بید پائی نے کہانیوں کے ذریعے نصیحت کی ہے۔ البتہ کہیں کہیں صاف الفاظ میں بھی بات کہہ دی ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ سب سے پہلے قدیم پہلوی اور تبتی زبان میں ہوا۔ پھر عربی قدیم، شامی، اسپینی، لاطینی، عبرانی، فارسی، یونانی، قدیم سلاونی، اطالوی، ترکی فرانسیسی، انگریزی، جرمنی اور ڈچ وغیرہ جیسی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے ہوئے۔ یوں اس کتاب کے ترجمے تقریباً دنیا کی تمام زبانوں میں ہوئے۔ خصوصاً عربی اور فارسی میں اسے کئی بار نظم کیا گیا۔ بعض منظوم ترجمے تو اب دستیاب نہیں ہیں، البتہ بعض موجود ہیں۔ "انوارِ سہیلی" کے بہت سے نسخے پہلے ہندوستان میں شائع ہوئے اور پھر ایران اور دوسرے ملکوں میں دوبارہ شائع کیے گئے۔

**وجہ تصنیف:۔**

اس کتاب کی وجہ تصنیف کے بارے میں مشہور ہے کہ ہندوستان کے بادشاہ پورس کو شکست دینے کے بعد فاتح اعظم سکندر نے اپنے ایک امیر کو یہاں کی حکومت سونپی۔ لیکن بہت جلد یہاں بغاوت ہوگئی اور عوام نے نئے حکمران کو تخت سے اتار کر اس کی جگہ پرانے بادشاہ کے ایک وارث کو تخت نشین کروا دیا جس کا نام دابشلیم تھا۔ نیا بادشاہ بہت جلد اپنی سختیوں کی وجہ سے نامقبول اور بدنام ہوگیا۔ ایک برہمن فلسفی بیدپائی نے بادشاہ کو صحیح راستے اور انصاف پسندی کی طرف لانے کا بیڑہ اٹھایا۔ اس کام میں اس کے شاگردوں نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ بادشاہ اس کی باتیں سن کر بھڑک اٹھا اور اسے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ لیکن بعد میں کچھ سوچ کر قیدِ سخت

کی سزا سنائی۔

ایک رات جب بادشاہ بے خوابی کا شکار تھا اور ستاروں اور سیاروں کی گردش کے متعلق غور کر رہا تھا کہ اچانک حکیم بید پائی کا خیال آیا، اور اپنی ناانصافی کا احساس ہوا۔ فوراً بید پائی کو قید سے آزاد کر کے اپنا وزیر بنا لیا۔ اس دوران میں حکیم بید پائی نے اپنا فرصت کا وقت حکومت کا دستور لکھنے میں بتایا اور اس طرح بادشاہ کی رہنمائی کی۔ دابشلیم نے یہ محسوس کیا کہ اکثر بادشاہ کے نام اپنے دور کی کسی مشہور کتاب کی وجہ سے باقی رہ گئے۔ اس کی بھی خواہش ہوئی کہ اس کے دور میں بھی کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں اس کا ذکر ہو اور وہ ہمیشہ کے لیے امر ہو جائے۔ اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار بید پائی کے سامنے کیا۔ بید پائی نے ایسی کہانیاں لکھ کر جو بادشاہوں کے لیے سبق آموز تھیں، یہ کام آسان کر دیا اور ایک سال میں کتاب مکمل کر لی۔ اس کے بعد اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر ایک شاگرد کے ساتھ علمی کام میں مصروف ہو گیا اور سارا مواد چار بابوں میں نقل کروایا۔ ہر باب ایک سوال اور اس کے جواب کے متعلق ہے۔ یہ کتاب "کارتکادمنکا" یا "کلیلہ دمنہ" کہلاتی ہے۔ کتاب کے مکمل ہونے پر بادشاہ نے اسے انعام واکرام دیا۔ بید پائی نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ صرف اس خواہش کے ساتھ کہ اس کی کتاب محفوظ رکھی جائے گی۔ یہ کتاب بعد میں کسی طرح ایرانیوں کے ہاتھ لگ گئی۔

کہا جاتا ہے کہ جب ایران کے بادشاہ نوشیرواں نے اس کتاب کے متعلق

سناتو ایک طبیب کے ذریعے جس کا نام برزویہ تھا اس کتاب کی جلد حاصل کی اور شاہی خزانے میں جمع کردی۔ برزویہ اسے تیزی سے ترجمہ کرتا رہا۔ بادشاہ نے اسے انعام دینا چاہا لیکن اس نے بھی اس شرط پر لینے سے انکار کردیا کہ اس کا تذکرہ شیر اور بیل کی کہانی والے باب سے پہلے کیا جائے گا۔ وزیر بزرجمہر نے اس کی درخواست قبول کرلی اور اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد اس نے برزویہ کی زندگی پر بھی ایک کتاب لکھی۔ پہلوی زبان کا یہ ترجمہ اب موجود نہیں ہے لیکن اس کو عربی میں نقل کیا گیا اور سب سے پہلے ابوالمظفر بہرام شاہی غزنوی کے عہد میں "کلیلہ ودمنہ بہرام شاہی" کے نام سے ترجمہ کیا گیا۔ اسے "کلیلۂ ابوالمعالی" بھی کہتے ہیں۔ یہ ترجمہ چھٹی صدی عیسوی کے مشہور دانشمند ابوالمعالی نصراللہ بن محمد نے کیا ہے اور ابن مقفع کی عربی کتاب کے سہارے لکھا گیا ہے۔ ملا حسین واعظ کاشفی نے بھی اسی انداز میں انوارِ سہیلی لکھی۔

کاشفی نے اپنے مقدمے میں کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ "عام طور پر جو لوگ شاہی فرمائش پر کتابیں لکھتے ہیں وہ اتنی مشکل زبان استعمال کرتے ہیں جسے عوام سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے میں نے ضرورت محسوس کی کہ ایسی کتاب لکھی جائے جسے لوگ پسند کریں اور اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

ابوالمعالی کی کتاب عربی الفاظ، اشعار اور ضرب الامثال سے بھری ہوئی ہے اس لیے اس کا سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ملا حسین واعظ کاشفی نے عربی کے بدلے

فارسی اشعار اور سادہ زبان استعمال کی ہے تاکہ کتاب عام لوگوں کی سمجھ میں آسکے یہی وجہ ہے کہ کاشفی کی کتاب کی عبارت سادہ ہے۔ اس میں فارسی کے بہت سے اشعار توجہ کھینچتے ہیں۔ اس لیے اس کتاب نے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل کی اور اس کے بعد آنے والے ادیبوں نے اسی کے انداز میں کتابیں لکھیں۔

کاشفی نے تقریباً ایک سو حکایتیں بیان کی ہیں، جو "کلیلہ دمنہ" میں موجود ہیں۔ پوری کتاب یوں ترتیب دی گئی ہے۔

باب اوّل :-

1۔ آغازِ داستان (کہانی کی ابتدا کے متعلق ۵ حکایتیں)

2۔ اصل سخن۔ کتاب کے متعلق اور چغل خوروں سے بچنے کی نصیحتوں کے متعلق 27 حکایتیں۔

| | |
|---|---|
| دوسرا باب: بدکاروں کے سزا پانے کے متعلق | 10 حکایتیں |
| تیسرا باب: دوستی کے فائدے | 6 حکایتیں |
| چوتھا باب: مطلب اور مقصد سے غفلت برتنے کا انجام | 3 حکایتیں |
| پانچواں باب: دشمنوں کی مکاری کے متعلق | 14 حکایتیں |
| چھٹا باب: جلد بازی کا انجام | 3 حکایتیں |
| ساتواں باب: دشمنوں کی بلاؤں سے چھٹکارہ پانے کی تدبیر | 3 حکایتیں |
| آٹھواں باب: غرض مندوں سے پرہیز | 8 حکایتیں |

---

# انوارِ سہیلی کی کہانیاں

اس باب میں "انوارِ سہیلی" کی چھیالیس چھوٹی بڑی کہانیاں شامل ہیں جن میں مختلف نصیحتیں اور سبق آموز باتیں پیش کی گئی ہیں جو بچوں اور نوجوانوں کے لیے آج بھی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں کہانی کے خیال کو اخذ کر کے اپنے طور پر قصے کو پیش کیا گیا ہے لیکن کہیں بھی کہانی کی اصل روح یا متن کو مجروح ہونے نہیں دیا گیا ہے۔ تو کہانیوں میں سے صرف وہی کہانیاں منتخب کی گئی ہیں جو 12 سے 17 سال کی عمر کے بچوں یا نوجوانوں کے لیے مناسب کہی جا سکتی ہیں۔ کہانیوں کے عنوانات میں بھی جدت سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے اور فارسی عنوانات کی بجائے کہانی کے مواد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عنوانات اردو میں دیے گئے ہیں۔ امید ہے یہ کہانیاں پڑھنے والوں کو پسند آئیں گی اور ثانوی جماعتوں میں ان کی تدریس یقیناً دلچسپ اور فائدہ مند ہوگی۔

# 1

# بڑھیا اور بلّی

کسی ملک میں ایک بڑھیا رہتی تھی جو بہت ہی غریب تھی۔ اس کی جھونپڑی جاہلوں کے دماغ اور کنجوسوں کے دل کی طرح بے حد تنگ تھی۔ اس نے ایک بلی پال رکھی تھی جو اس کی واحد دوست تھی۔ مگر مفلسی کی وجہ سے بڑھیا اسے اس کی مرضی کے مطابق کھانا نہیں کھلا سکتی تھی۔ بلی مشکل سے روٹی کی شکل دیکھ پاتی تھی۔ کبھی کبھی وہ کسی سوراخ سے چوہے کی بو پاتی تھی تو اس کے قدموں کے نشانات دیکھ کر اپنی تسکین کر لیتی تھی۔ یا اتفاق سے کوئی چوہا اس کے ہاتھ آجاتا تھا تو کام چل جاتا تھا۔ اس وقت وہ اتنی خوش ہوتی تھی جیسے کسی بھکاری کو خزانہ مل جائے۔ لیکن اس وجہ سے وہ روز بروز لاغر اور کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

ایک دن وہ بڑی مشکل سے بڑھیا کے گھر کی چھت پر چڑھی۔ اس کی نظر پڑوسی کی دیوار پر بیٹھی ہوئی ایک موٹی تازی بلی پر پڑی جو کسی شیرنی سے کم نہ نظر آتی تھی اور موٹاپے کی وجہ سے مشکل چل پھر سکتی تھی۔ جب اس نے اتنی موٹی تازی بلی دیکھی تو

حیران رہ گئی اور چلا کے کہا ـــ

"اے بہن! کیا بات ہے جو تم اتنی صحت مند ہو۔ کیا تم کسی رئیس کی مہمان ہو؟ یا تمھاری صحت کا راز کچھ اور ہے؟

پڑوسی کی بلی نے جواب دیا۔

"میں ہر صبح بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر رہتی ہوں اور جب دستر خوان بچھایا جاتا ہے تو بہت جرأت اور ڈھٹائی کے ساتھ گوشت کی بوٹیوں اور میدے کی روٹیوں پر جھپٹا مار کر بھاگ جاتی ہوں اور اسے کھا کر مطمئن رہتی ہوں۔"

بڑھیا کی بلی نے کہا، "گوشت کی بوٹیاں کسے کہتے ہیں؟ اور میدے کی روٹیاں کیسی ہوتی ہیں؟ میں نے تو ایک مدت دراز سے سوائے دال اور سوکھی روٹیوں کے اور کبھی کبھی ایک آدھ چوہے کے اور کچھ دیکھا نہ چکھا۔"

پڑوسی کی بلی مسکرائی اور بولی ـــ

"تجھ میں اور ایک مکڑی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہم بلیوں کی ذات میں تجھ جیسی مریل اور سوکھی ساکھی بلی کوئی دکھائی نہیں دیتی۔ مجھے تو تجھے دیکھ کر شرم آتی ہے۔ تیرے کان اور تیرا چہرہ تو بلی جیسا ہے لیکن ہاتھ پاؤں مکڑی کی طرح ـــ اگر تو بادشاہ اور اس کا دستر خوان دیکھے اور اس کے لذیذ کھانوں کی خوشبو سونگھے تو ممکن ہے کہ خدا تجھے ایک نئی زندگی عطا کرے۔"

بڑھیا کی بلی نے کہا: ـــ" اے بہن ایک پڑوسی اور ہم جنس کے ناطے میرا بھی

تجھ پر کچھ حق ہے اور اگر تو شرطِ محبّت اور مروّت بجا لائے تو مجھے بھی اس مصیبت سے نجات دلا سکتی ہے۔ شاید کہ تیری بدولت میں بھی توانائی حاصل کروں اور تیری دوستی کے طفیل ایک نئی زندگی پاؤں۔"

پڑوسی کی بلّی نے جب بڑھیا کی بلّی کی یہ آہ وزاری سنی تو اس کا دل پسیج گیا اور اسے اس پر رحم آگیا اور وعدہ کیا کہ تیرے بغیر آج دسترخوان پر حاضری نہ ہوگی۔ بڑھیا کی بلّی اس وعدے کو سُن کر بہت خوش ہوئی۔ چھت سے کود کر نیچے آئی اور بڑھیا سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ بڑھیا نے نصیحت کی۔

"اے میری پیاری بلّی! دنیا والوں کی باتوں میں نہ آ اور گوشۂ قناعت کو اپنے ہاتھ سے مت گنوا، کیونکہ حرص کا برتن سوائے خاکِ قبر کے اور کسی سے نہیں بھرتا اور خواہش کا چاک فنا کی سوئی اور اجل کے دھاگے کے بغیر رفو نہیں کیا جا سکتا۔"

بلّی کے دل میں سلطان کے دسترخوان کی لالچ اس قدر سما چکی تھی کہ بڑھیا کی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔

دوسرے دن پڑوسی کی بلّی کے ساتھ خوشی خوشی بادشاہ کے دسترخوان پر پہنچی اور اس سے قبل کہ کھانے کا مزہ لوٹتی، اس کی بدقسمتی نے رنگ دکھایا۔ گذشتہ روز چونکہ بہت سی بلّیوں نے سلطان کے دسترخوان پر ہجوم کر دیا تھا اور میاؤں میاؤں کا شور مچا رکھا تھا، جس کی وجہ سے مہمان اور میزبان دونوں پریشان ہو گئے تھے بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ تیرانداز اپنی کمان سمیت کمین گاہ میں تیار

بیٹھیں اور جیسے ہی کوئی بلی دسترخوان کی طرف جھپٹے اس پر تیر چلائیں۔ بڑھیا کی بلی اس صورتِ حال سے ناواقف تھی۔ جیسے ہی اس کی ناک میں کھانوں کی لذیذ خوشبو پہنچی، وہ بے قرار ہوکر دیوانہ وار دسترخوان پر ٹوٹ پڑی اور ابھی لقمہ اس کے حلق تک پہنچا بھی نہ تھا کہ ایک دل شگاف تیر نے اس کا سینہ چھلنی کر دیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔

2

# تلوار کی طاقت

زمانۂ قدیم میں ایک عیال دار شخص تھا اور کثرت اولاد کی وجہ سے بے حد تنگ دستی میں بسر کرتا تھا۔ جتنا کماتا تھا، اتنا خرچ ہو جاتا تھا۔ کچھ بس انداز نہ ہوتا تھا خوش قسمتی سے اسے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کی پیشانی سے اقبال مندی کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے قدموں کی برکت سے باپ کی حالت بدل گئی اور اس کی کمائی میں اضافہ ہونے لگا۔ یعنی اسے تجارت میں دوگنا تگنا فائدہ ہوا۔ والدین اس اقبال مند بیٹے کی پرورش میں دل وجان سے مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ تعلیم و تربیت کے قابل ہوا لیکن اس عمر میں بھی اس کا کھیل صرف تلوار بازی تھا۔ جب اسے مکتب میں بٹھایا گیا تو سب سے پہلے جو حرف اس کی زبان پر آیا وہ الف ب کی بجائے تیر و کمان تھا۔ ہر ممکن طریقے سے اسے مکتب کی تعلیم دینے کی کوشش کی گئی اور پڑھنا لکھنا سکھایا گیا لیکن وہ اس کا جواب نیزوں تلواروں اور تیروں میں دیتا رہا۔ جب کوئی اسے پڑھاتا تھا تو لفظوں کی سطروں میں اسے تلوار ہی کا تصور ابھرتا تھا اور ہر سبق کا مطلب وہ

حکومت اور جہانگیری ہی سمجھتا تھا۔ جب اسے نظم و نثر کے نقش و نگار سکھائے جاتے تو وہ اسے سپر اور ڈھال کے نقش و نگار تصور کرتا۔ اس کا باپ یہ حال دیکھ کر بڑا پریشان تھا۔ مگر کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جب اس نے جوانی کی سرحدوں میں قدم رکھا تو ایک دن باپ نے اس سے کہا ـــ

" بیٹا! میں بچپن سے تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں لیکن اب تم جوان ہو گئے ہو اور جوانی اور بچپن میں بہت فرق ہوتا ہے ۔ ابتدا ہی سے تم میں شوخی اور دلیری کے آثار نمایاں تھے ۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بھلائی کے لیے کچھ کروں تاکہ تم دنیا میں کوئی نقصان نہ اٹھاؤ۔ اب مصلحت اسی میں ہے کہ تمہارا نکاح ایک خوبصورت اور شریف اور نیک لڑکی سے کر دوں تاکہ تم بری صحبتوں اور گناہوں سے بچے رہو۔ میں نے اس قدر سامان جمع کر لیا ہے کہ ہمارے قبیلے کی کسی بھی لڑکی سے تمہاری شادی دھوم دھام کے ساتھ ہو سکے اور تم عمر بھر آرام سے گزر بسر کر سکو۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟"

بیٹے نے جواب دیا ـــ " ابا جان! میں نے اپنی شادی کا اس سے بہتر سامان جمع کر لیا ہے اور اس سلسلے میں، میں آپ سے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں چاہتا۔"

باپ نے کہا ـــ " بیٹا! مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اب جلدی بتاؤ کہ وہ دولہن جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو وہ کہاں ہے ؟ اور کس خاندان سے ہے؟"

لڑکا گھر میں گیا اور ایک تلوار جو حسینوں کے ابروؤں سے زیادہ خم دار تھی

لے آیا اور بولا —

" ابا جان! میں حکومت و سلطنت کی حسینہ سے شادی کرنے کا خواہشمند ہوں اور اس کا مہر یہ تیز دھار تلوار، یہ نیزہ اور خنجر ہے اور محترم والد صاحب! گناہوں میں گرفتار ہونا جانوروں کا کام ہے۔ جس نے ہاتھ میں تلوار اٹھالی وہ ایسے رذیل کام نہیں کرتا کیونکہ بہادر مردوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔"

غرضیکہ اس کو حصولِ سلطنت کی خواہش تھی لہٰذا اس نے اپنی تلوار اور بہادری کے جوہر دکھائے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور ایک دن ایک بڑی سلطنت کا مالک بن بیٹھا۔

# 3

# سچا سردار کون ؟

بصرہ کے پاس ایک جزیرہ تھا جس کی آب و ہوا بے حد خوشگوار تھی اور وہاں ایک جنگل تھا جہاں صاف و شفاف پانی کے چشمے ہردم رواں دواں تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں ہردم چلتی رہتی تھیں۔ اس فرحت افزا جنگل میں ایک چیتے کی حکومت تھی جو بڑا دلیر اور طاقتور تھا۔ دور دور تک بہادری میں کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے شیر بھی اس کا نام سن کر کانپتے تھے اور وہاں سے گزرنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک وہ اس جنگل میں حکومت کرتا رہا اور کبھی اسے کسی قسم کی ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس کا ایک بچہ تھا جو نہایت خوبصورت اور نیک تھا۔ اس کو دیکھ کر چیتا بے حد خوش ہوتا تھا اور دعا مانگتا تھا کہ اگر یہ بچہ ایک سال کا ہو کر اپنے ناخن اور دانت شیروں کے خون سے رنگ لے گا تو میں اس جنگل کی حکومت اسے سونپ کر باقی عمر گوشہ قناعت میں، خدا کی یاد میں گزار دوں گا۔ لیکن اس کی یہ دعا قبول بھی نہ ہو پائی تھی کہ اسے موت کا پیغام آ گیا اور تمام آرزوئیں خاک ہو گئیں۔ جیسے ہی

وہ چیتا موت کے پنجے میں گرفتار ہوا، وہ تمام جانور جو ایک عرصۂ دراز تک سے اس جنگل میں حکومت کرنے کے خواہش مند تھے ایک ساتھ حملہ آور ہوئے۔ چیتے کے بچے نے جب یہ دیکھا کہ میں ان سب کا مقابلہ نہ کرسکوں گا تو اس نے جنگل چھوڑ دیا اور جانوروں میں آپس میں خوب زوردار لڑائی ہوئی اور آخر کار ایک خطرناک اور خوں ریز شیر نے سب پر فتح پائی اور اس جنگل پر قبضہ کر لیا اور وہاں حکومت کرنے لگا۔ چیتے کا بچہ جنگلوں جنگلوں بھٹکتا ہوا بڑی مشکل سے ایک بیابان میں پہنچا اور وہاں کے جانوروں کو اپنی رام کہانی سنا کر ان سے مدد چاہی انھوں نے جب اس خونخوار شیر کا ذکر سنا تو اس کی مدد سے انکار کر دیا اور کہا۔

"اے نادان جس کے ڈر سے پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا ہے اور ہاتھی بھی وہاں جاتے ہوئے ڈرتا ہے، ہم جیسے کمزور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور تو بھی اس چکر میں مت پڑ۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اس کے حضور میں جا کر دل و جان سے اس کی خدمت گذاری کر۔ ممکن ہے تیری خدمت شیر کو پسند آجائے۔"

چیتے کے بچے کو جانوروں کی یہ صلاح پسند آئی اور اس نے اسی میں بہتری سمجھی کہ شیر کی خدمت کی جائے۔ لہٰذا بڑی عاجزی کے ساتھ اس کی ملازمت اختیار کی اور اس کی خدمت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں اس شیر کا منظورِ نظر ہو گیا اور ارکانِ دولت میں شمار ہونے لگا دوسرے امراء اس سے حسد کرنے لگے۔

اتفاقاً ایک دن شیر کو گرمی کے شدید موسم میں دور کا سفر درپیش ہوا سخت گرمی کی وجہ سے جانوروں کی ہڈیاں جل رہی تھیں اور بھیجا پک رہا تھا شیر بچکچا رہا تھا کہ اس موسم میں مہم پر جاؤں یا نہ جاؤں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں اس مہم پر نہ جاؤں گا تو میری سلطنت کی دھاک ختم ہو جائے گی اور اگر ایسے وقت میں کسی کو حکم دوں گا تو کون ایسا ملازم ہے جو اس گرمی میں پریشانی مول لینے کو تیار ہو گا اور بخوشی اس مہم کو قبول کرے گا۔ اور اگر مجبوراً اگیا بھی تو اس سے کیا ہو سکے گا۔ وہ اسی فکر میں مستغرق تھا کہ چیتے کے بچے نے سمجھ لیا کہ شیر پریشان ہے۔ زمین بوس ہو کر کہا۔

"جہاں پناہ کی عمر دراز ہو۔ ایسی کونسی پریشانی لاحق ہے جس کی وجہ سے آپ اتنے اداس نظر آ رہے ہیں؟ ہم جیسے سرفروش اور جانباز آخر کس لیے اور کس دن کے لیے ہیں؟"

شیر نے اپنا حال بیان کیا اور چیتے نے بخوشی اس مہم پر جانا قبول کر لیا اور ایک فوج کے ہمراہ روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اپنی جوانمردی اور ہمت سے دشمنوں کو قتل کر کے اس جنگل پر قبضہ کر لیا۔ جو سپاہی اس مہم میں اس کے ساتھ تھے انہوں نے اتفاق رائے سے کہا۔

"اس شدت کی گرمی میں خدا نے آپ کو کامیاب کیا ہے اور اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ لہٰذا کچھ دیر درخت کے سائے میں آرام کریں اور ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھائیں۔ جب گرمی کم ہو گی روانہ ہو جائیں گے۔"

چیتے کے بچّے نے مسکرا کر کہا۔ " میں جہاں پناہ کے نزدیک محض اس لیے منظورِ نظر ہوں کہ میں نے جفاکشی کو پسند کیا ہے۔ لہٰذا یہ زیب نہیں دیتا کہ میں بھی کاہلوں کی طرح تن آسانی اور سُستی کا مظاہرہ کروں۔ اس لیے کہ تن آسانی ہمیشہ پشیمانی کا سبب بنتی ہے۔ جس نے محنت اور ہمّت پر کمر باندھی وہ کبھی اپنی منزلِ مقصود سے دور نہیں ہا اور جنھوں نے عیش و راحت کو دوست رکھا وہ کبھی اپنا مقصد نہ پا سکے۔ بادشاہ نے ہم کو مشقّت کا حکم دیا ہے لہٰذا نمک خواری کی شرط یہ ہے کہ اس کے حکم کے بغیر آرام نہ کریں۔ اس وقت سورج کی گرمی، ہُما کے سائے سے بہتر ہے۔"

بادشاہ کے جاسوسوں نے یہ خبر حرف بہ حرف اس تک پہنچا دی۔ شیر نے یہ سُن کر دادِ تحسین دی اور کہا۔

" سرداری اور سروری ایسے ہی شخص کو زیب دیتی ہے جو محنت سے دل نہ چرائے اور آرام نہ کرے اور اپنے آقا سے نمک حرامی یا بے وفائی نہ کرے۔

اس کے بعد چیتے کے بچے کو بلا کر اسے انعام و اکرام سے نوازا اور اس جنگل کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

---

# 4

# قناعت سب سے بڑی دولت ہے

حلب میں ایک بادشاہ تھا جو بے حد عالی ظرف، عقل مند اور نیک تھا۔ اس نے زمانے کے کئی انقلابات دیکھے تھے۔ اس کے دو بیٹے تھے جو ہمیشہ جوانی کے غرور اور شراب کے نشے میں چور رہتے تھے اور رات دن عیّاشی میں مصروف رہتے تھے۔ عقلمند اور تجربہ کار بادشاہ کو ہر وقت فکر رہتی تھی کہ یہ ناخلف میرے بعد میری سلطنت اور دولت کو تھوڑی ہی مدّت میں تباہ کر ڈالیں گے۔ اسی شہر سے کچھ دور ایک زاہد رہتا تھا جس نے دنیا کو ترک کر کے عبادت میں اپنی عمر بتا دی تھی۔ بادشاہ کو اس سے بے حد محبّت تھی اور وہ اس کا بے حد عقیدت مند تھا۔ اس نے اپنی تمام دولت اکٹھا کر کے زاہد کی خانقاہ میں ایک جگہ دفن کر دی اور اس سے کہا۔

"دولت بے وفا ہوتی ہے اور شان و شوکت بے بقا۔ اس لیے جب میرے دونوں بیٹے ان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور مفلس و محتاج ہو جائیں تو اس وقت انھیں اس دفینے کا پتہ دینا۔ شاید تکلیفیں اٹھانے کے بعد وہ دولت کی قدر سیکھ لیں، اسراف سے بچ جائیں

باز آئیں اور اعتدال کا راستہ اختیار کریں۔

زاہد نے بادشاہ کی وصیت قبول کی اور بادشاہ نے ایک کنویں کے اندر وہ خزانہ دفن کر دیا۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ اور زاہد دونوں کا انتقال ہو گیا اور وہ خزانہ جو زاہد کی خانقاہ میں دفن تھا ویسے ہی مخفی رہا۔ کسی کو اس کا پتہ نہ چل سکا۔ بادشاہ کی موت کے بعد دونوں بیٹوں میں تخت و تاج کے لیے زبردست لڑائی ہوئی آخر بڑا بھائی سلطنت پر قابض ہو گیا اور سب دولت ہتھیالی۔ چھوٹے بھائی کو کچھ بھی نہ دیا۔ جب اس نے یہ حال دیکھا تو اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا اور اس نے قناعت اور توکل کو اپنا شعار بنا لیا اس غرض سے وہ شہر سے دور اسی خانقاہ کی طرف نکل آیا جہاں زاہد رہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اسی زاہد کے قدموں میں عبادت کی زندگی گذار دے گا۔ لیکن اسے پتہ چلا کہ زاہد کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ اسی خانقاہ میں سکونت اختیار کر کے زاہد کی قبر کی مجاوری کرنے لگا۔

اس خانقاہ سے ایک نہر بہتی تھی جو اسی کنویں سے جا ملتی تھی جہاں خزانہ دفن تھا۔ اس نہر کا پانی پانی مسلسل اس کنویں میں جمع ہوتا تھا اور لوگ اسے استعمال کرتے تھے۔ اسی سے غسل اور وضو کرتے تھے۔ ایک روز شہزادے نے اس کنویں میں ڈول ڈالا لیکن پانی کی آواز نہ آئی۔ اس نے کنویں میں جھانک کر دیکھا۔ پانی نظر نہ آیا۔ اسے تعجب ہوا کہ آخر ایسی کونسی چیز حائل ہے جو پانی نہیں آرہا ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ ہے تو اس سے تمام لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ یہ سوچ کر فوراً کنویں میں اترا اور ادھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ اچانک اس کی نظر ایک گھڑے پر پڑی جو اس سوراخ پر آکر رکا ہوا تھا جہاں سے نہر کا

پانی کنویں میں آتا تھا اور جس کی وجہ سے بار بار پانی کی رفتار میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی اس نے دل میں سوچا آخر یہ سوراخ جاتا کہاں ہے، لہٰذا اس گھڑے کا منہ چوڑا کرنے کی کوشش کی اور تھوڑا سا کھودا تو اس گھڑے کا منہ کھل گیا اور دینار و ہیرے جواہرات باہر کی طرف بکھرنے لگے۔ یہ وہی خزانہ تھا جو بادشاہ نے دفن کیا تھا۔ شہزادے نے خدا کا شکر ادا کیا اور دل میں سوچا کہ "ہر چند یہ خزانہ بے شمار اور یہ دولت بے حساب ہے لیکن اس کے لیے قناعت اور توکل کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ اور اسے حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا چاہیے۔" پس ہنسی خوشی رہنے لگا۔

ادھر بڑا بھائی جب بادشاہ بنا تو دولت کے نشے میں اتنا مغرور ہو گیا کہ رعایا کی خبر گیری اور فوج کی اسے مطلق پرواہ نہ رہی۔ دن رات عیش و عشرت میں پڑا رہتا اور یہ سوچ کر کہ محل میں بے حساب دولت چھپی ہوئی ہے بے دریغ روپیہ خرچ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ خزانہ خالی ہو گیا۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے ایک دشمن نے اس کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ لیکن اس کا لشکر پریشان اور بے سروسامان تھا۔ اس لیے بری طرح شکست ہوئی۔ مگر اس لڑائی میں دونوں حریف مارے گئے۔ اور دونوں لشکر پریشان ہو گئے۔ ممکن تھا کہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا اور نفرت کی آگ دونوں لشکروں کو جلا کر خاک کر ڈالتی کہ دونوں فوجوں کے سرداروں نے سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے مل کر سوچا کہ کوئی ایسا شخص تلاش کرنا چاہیے کہ جو دونوں حکومتوں کی سربراہی کے لائق ہو۔ جب تحقیق کی تو پتا چلا کہ

دونوں بادشاہوں کے خاندانوں میں سوائے ایک خانقاہ نشین شہزادے کے اور کوئی باقی نہ بچا تھا۔ سب مشترکہ طور پر شہزادے کے حق میں راضی ہو گئے اور اسے خانقاہ سے اٹھا کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اس طرح وہ نہ صرف قناعت اور توکل کی سلطنت کا حاکم ہوا بلکہ اس کے طفیل میں اپنی موروثی سلطنت بھی پائی۔

---

# 5

# مالِ مفت دلِ بے رحم

ایک کسان نے ایک کوٹھری میں غلے کا ذخیرہ کر رکھا تھا تاکہ وقت ضرورت کام آسکے۔ ایک ہوشیار چوہے کو جب اس کا پتہ چلا تو اس نے بڑی چالاکی کے ساتھ چاروں طرف سے نقب لگائی اور بہت سا غلّہ وہاں سے نکال کر اپنے بل میں جمع کر لیا۔ جب اچھا خاصا غلّہ جمع ہو گیا تو اسے غرور پیدا ہوا۔ بڑائی کی خاطر اُس نے تمام ساتھیوں کو دعوتِ عام دی۔ محلّے کے تمام چوہے اس کی دعوت پر اس بل میں حاضر ہوئے اور کچھ دوست احباب اس کی خوشامد میں مصروف ہو گئے۔ وہ ہر دم اس کی تعریف و توصیف کرتے رہتے اور چوہا بھی خوش ہو کر خوب خوب بڑائی ہانکتا اور ترنگ میں آکر خوب خرچ کرتا اور اس امید پر کہ یہ بے حساب غلّہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا ہر روز ایک کثیر مقدار اپنے مصاحبوں پر صرف کرتا اور انجام کا مطلق خیال نہ کرتا۔

اسی دوران جب چوہے یہ مزے لوٹ رہے تھے، اچانک زبردست قحط پڑ گیا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ چوہا اس صورتِ حال سے بے خبر اپنے غرور میں مست دوستوں

کے لیے دسترخوان بچھاتا رہا۔ اسے نہ قحط کی خبر تھی نہ لوگوں کی فاقہ کشی کی۔ یہاں تک کہ ایک دن کسان جو خود ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا، اس کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر آیا۔ دیکھا کہ تمام غلّہ صاف ہو چکا ہے۔ بے حد افسوس کرنے لگا اور یہ سوچ کر کہ یہ غلّہ بھی چوہے نہ لے جائیں تمام بچا ہوا غلّہ سمیٹ کر دوسرے گاؤں جانے کا ارادہ کیا۔ جب کسان نے غلّہ سمیٹنا شروع کیا تو چوہا خوابِ غفلت میں سویا ہوا تھا۔ اسے اس کی خبر نہ ہوئی۔ البتہ اس کے ایک ساتھی نے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا تو صورتحال اس کی سمجھ میں آگئی اس نے فوراً جا کر اپنے تمام ساتھیوں کو یہ بات بتا دی اور وہ تمام چوہے جو اس کی رفاقت کا دم بھرتے تھے اسے تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دوسرے دن جب چوہا جاگا تو ادھر اُدھر نظر ڈالی۔ نہ دوست احباب تھے اور نہ غلّہ تھا۔ بہت تلاش کے باوجود جب کسی کو نہ پایا تو بے حد رنجیدہ ہوا اور سر پٹک پٹک کر رونے لگا یہاں تک کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

---

6

# حوصلہ مندی کا انعام

دو دوست تھے۔ ایک کا نام سالم تھا اور دوسرے کا غانم۔ ایک بار وہ دونوں ایک ساتھ سفر پر روانہ ہوئے اور ایک دوسرے کی ہمراہی میں کئی منزلیں اور مرحلے طے کرتے چلے گئے۔ اتفاقاً ان کا گذر ایک پہاڑی کے قریب سے ہوا جس کی چوٹی نیلگوں آسمان سے باتیں کر رہی تھی اور اس کے خوبصورت دامن میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا جس کا پانی بے حد صاف و شفاف ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ اس چشمے سے لگا ہوا ایک بہت بڑا حوض تھا جس کے اطراف سایہ دار درختوں کی قطاروں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دونوں دوست خوفناک جنگل سے نکل کر اس خوبصورت مقام پر پہنچے اور جگہ کی دلکشی کو دیکھتے ہوئے وہاں آرام کرنے کی غرض سے رک گئے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد جب حوض کے آس پاس نظر کی تو اچانک حوض کے کنارے ایک سنگ سفید نصب کیا ہوا دکھائی دیا۔ جس پر چند سطریں خطِ سبز میں ایسے خوشخط انداز میں لکھی ہوئی تھیں کہ ان کی نگاہیں ٹھہر گئیں۔ عبارت یہ تھی۔

"اے مسافر! تم نے اس منزل کو اپنے قدموں سے شرف بخشا لہٰذا ہم تمہارا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اپنے عزیز مہمان کے استقبال کے لیے ہم نے اس کے شایانِ شان اہتمام کیا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بے دریغ اس چشمے میں پاؤں ڈالے اور گرداب یا غرقاب ہونے کا خوف نہ کرے اور جس طرح ممکن ہو، چشمے کے اس پار پہنچے۔ وہاں پہاڑی کے دامن میں ایک پتھر کا وزنی شیر رکھا ہوا ہے، اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر بلا تامّل ایک سانس میں پہاڑی کے اوپر پہنچ جائے اور خوفناک درندوں کا شکار ہونے یا خطرناک کانٹوں کے دامن گیر ہونے کا خوف نہ لائے اور ہمت نہ ہارے کیونکہ جب راستہ ختم ہوگا تو اس کی آرزو کا درخت مراد کا پھل لائے گا۔"

اس عبارت کو پڑھنے کے بعد غانم نے سالم کی طرف رخ کیا اور بولا "دوست! چلو ہم اس خطرناک راہ پر قدم رکھیں اور اس طلسم کو جاننے کی ہر ممکن کوشش کریں۔"

سالم نے جواب دیا۔

"میرے پیارے دوست! فقط اس تحریر کو پڑھ کر کہ جس کے لکھنے والے کا پتہ نہ ہو اور جس کے مفہوم کی حقیقت سے ہم ناواقف ہیں، خواہ مخواہ خطرہ مول لینا اور ایک خیالی فائدے کی لالچ میں پڑ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جہالت کی دلیل ہے۔ کوئی عقل مند زہر تریاق سمجھ کر نہیں کھاتا اور کوئی ہوشیار شخص آج کی محنت کا سرمایہ کل کی امید میں صرف نہیں کرتا۔"

غانم نے کہا "اے رفیق! آرام کی خواہش سستی اور کاہلی پست ہمتوں کا شیوہ ہے

اور خطروں سے کھیلنا خوش قسمتی اور اقبال مندی کی نشانی ہے۔ باہمت شخص گوشہ اور توشے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس وقت تک کوشش سے باز نہیں آتا جب تک کہ منزلِ مقصود نہ پالے۔ خوشی کا پھول مصیبتوں کے کانٹوں کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور آرزوؤں کا خزانہ تکلیف کی چابی کے بغیر نہیں کھلتا۔ ہمت مجھے پہاڑی کی جانب کھینچ رہی ہے اور میں گردابِ بلا سے بے خوف و خطر گزرنے کو تیار ہوں۔

سالم نے جواب دیا۔

"تیری بات بجا ہے کہ دولت کی بہار مفلسی کی خزاں کے بعد ہی زیادہ مہکتی ہے۔ لیکن ایسی راہ میں قدم رکھنا کہ جس کا کوئی اختتام نہ ہو اور ایسے دریا میں تیرنا کہ جس کا کوئی کنارہ نہ ہو، عقل مندی نہیں۔ وہ شخص جو کسی کام کے آغاز سے پہلے اس کے انجام پر نظر رکھتا ہے اور نفع و نقصان کو عقل کے ترازو میں تولتا ہے، تاریخ میں بدنام نہیں ہوتا اور اپنی عمرِ عزیز کو برباد نہیں کرتا۔ ممکن ہے کہ یہ عبارت مذاق کے طور پر لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے لکھی گئی ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس چشمے میں کوئی ایسا گرداب ہو کہ جس میں پھنس کر آدمی باہر ہی نہ نکل سکتا ہو۔ اور اگر بالفرض اس سے نجات تو ممکن ہے کہ پتھر کے اس شیر کا وزن ناقابلِ برداشت ہو اور وہ کندھوں پر اٹھایا نہ جا سکے۔ اور اگر یہ سب بھی ہو جائے تو کچھ معلوم نہیں کہ اس کا حاصل کیا ہوگا؟ میں اس معاملے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا اور تمہیں بھی اس بے وقوفی سے منع کرتا ہوں۔"

غانم نے کہا۔ "اس بات کو بھول جاؤ کہ میں اپنے ارادے سے باز آجاؤں گا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ کسی خوف سے اس کام سے منہ نہ موڑونگا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس راہ میں تم میرا ساتھ نہ دوگے۔ بہرحال پھر بھی تم دور سے نظارہ کرو اور میری کامیابی کی دعائیں کرتے رہو۔"

سالم سمجھ گیا کہ غانم اپنے ارادے میں اٹل ہے۔ کہا:۔

"میرے بھائی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ارادے کے پکے ہو اور اسے ترک کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ میں تمہیں اس حال میں دیکھنے کی ہمت اپنے آپ میں نہیں پاتا کیونکہ یہ خود سے بلائی ہوئی تباہی اور بربادی میرے مزاج اور فطرت کے خلاف ہے۔"

اس نے بڑے افسوس کے ساتھ اپنے دوست سے رخصت لی اور روانہ ہوا۔ غانم اپنی جان کی پروا کیے بغیر چشمے کے کنارے آیا اور بغیر کسی پس وپیش کے اس کے پانی میں قدم ڈال دیے حالانکہ اسے پتہ تھا کہ یہ چشمہ اس کے لیے مصیبتوں کا باعث بھی ہو سکتا تھا لیکن وہ ہمت اور حوصلے کے ساتھ تیرتا ہوا دوسرے کنارے پر پہنچا۔ اپنی سانسیں درست کیں۔ پتھر کے وزنی شیر کو اپنی طاقت اور قوت سے پیٹھ پر لادا اور بڑی محنت اور مشقت سے ایک ہی سانس میں دوڑتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا۔ پہاڑی کے اس طرف ایک بہت بڑا شہر نظر آیا جس کی آب وہوا بڑی دلکش اور خوشگوار تھی۔

غانم پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا شہر کی جانب دیکھ رہا تھا کہ اچانک پتھر کے شیر میں سے ایک خوفناک دہاڑ نکلی۔ اتنی خوفناک کہ پہاڑ اور صحرا لرزنے لگے۔ یہ آواز اس

شہر میں پہنچے اور اس کو سنتے ہی بے شمار آدمی چاروں طرف سے نکل کر بے تحاشہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ چوٹی پر پہنچ کر وہ غانم کے پاس آئے۔ غانم بڑی حیرت سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آرہا تھا۔ اچانک اس مجمع میں سے چند سر برآوردہ اور معزز افراد نے غانم کے حضور سلام کیا اور دست دعا بلند کیے۔ بعد التماس انہوں نے ایک گھوڑے پر سوار کرکے شہر کی جانب لے چلے۔ عرق گلاب سے اسے غسل کروایا اور شاہانہ خلعت پہنائی اور بہت اعزاز و احترام کے ساتھ اس ملک کی زمام حکومت اس کے ہاتھوں میں سونپ دی۔ جب غانم نے اس صورت حال کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا۔

" ہمارے عقل مند بزرگوں نے اس چشمے میں ایک طلسم چھپا رکھا تھا یہ پتھر کا وزنی شیر دراصل باحوصلہ اور باہمت لوگوں کو پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ جب اس شہر کا بادشاہ مرتا ہے تو خدا کسی باہمت جوان کو اس چشمے پر بھیجتا ہے جو کسی قسم کا خوف کھائے بغیر اس چشمے میں پاؤں رکھتا ہے اور شیر کو اٹھا کر پہاڑی کی چوٹی تک پہنچاتا ہے۔ پھر اس شیر سے یہ دہاڑ نکلتی ہے جسے سن کر تمام لوگ شہر سے باہر نکلتے ہیں اور اس شخص کو بادشاہ بنا کر اس کے عدل و انصاف کے سائے میں اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ اب یہ بادشاہت آپ کو مبارک ہو۔

# 7

# آدھی رہے نہ ساری

کسی جنگل میں ایک لومڑی غذا کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی اچانک وہ ایک درخت کے قریب پہنچی جس کے ساتھ ایک ڈھول بندھا ہوا لٹک رہا تھا۔ جب جب ہوا چلتی تھی درخت کی ایک لمبی سی شاخ ہل کر اس ڈھول پر پڑتی تھی اور اس سے ایک زوردار آواز نکلتی تھی۔ اتفاق سے اسی درخت کے نیچے ایک پالتو مرغا زمین کرید کرید کر دانہ چگ رہا تھا۔ لومڑی نے چھپ کر اس پر جھپٹا مارنا چاہا لیکن اسی وقت ہوا چلی اور شاخ ہل کر ڈھول سے ٹکرائی اور ایک زوردار آواز لومڑی کے کانوں میں پہنچی۔ اس نے نظر اٹھائی تو اسے ایک موٹی تازی بھاری بھرکم چیز دکھائی دی جس سے یہ آواز آرہی تھی ڈھول کو دیکھتے ہی اس کے منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے دل میں سوچا۔ "اس چھوٹے سے مرغے سے کیا ہوگا۔ ہر وہ چیز جو بھاری بھرکم ہوتی ہے، آواز دیتی ہے اور زیادہ دنوں تک چلتی ہے۔"

اس خیال کے آتے ہی وہ ڈھول کی طرف بڑھی۔ آہٹ پا کر مرغا چونکا اور

تیزی سے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ لومڑی بڑی مشکل سے درخت پر چڑھی اور جلدی جلدی ڈھول پر منہ مارا اور ہاتھ پاؤں چلانے لگی۔ مگر سوائے چمڑے اور لکڑی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ناچار درخت سے نیچے آئی۔ مرغے کو تلاش کیا مگر وہ جا چکا تھا۔ افسوس اور ندامت سے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ دل ہی دل میں بے حد پچھتائی اور کہنے لگی۔

"اس موٹے تازے مگر کھوکھلے ڈھول کی لالچ میں جس میں سوائے ہوا کے اور کچھ نہ تھا، میرا اچھا خاصا شکار ہاتھ سے جاتا رہا۔ واقعی کسی نے سچ کہا ہے۔ آدھی چھوڑ ساری کو دوڑے۔ آدھی رہے نہ ساری پائے۔

---

# 8

# ظلم کا انجام

چڑیوں کے ایک جوڑے نے درخت پر اپنا آشیانہ بنایا تھا اور دانہ پانی پر گذر اوقات کرتے تھے۔ اسی پہاڑ کی چوٹی پر جس کے دامن میں یہ درخت تھا، ایک باز رہتا تھا جو شکار پر بجلی کی مانند جھپٹتا تھا اور کمزور پرندوں کے آشیانوں کو جلا کر خاک کر دیتا تھا۔ جب کبھی چڑیا کے بچے اڑنے کے قابل ہوتے تو باز ان کی تاک میں بیٹھتا اور جیسے ہی بچے اڑنے کی کوشش کرتے وہ انھیں اپنے پنجے میں دبوچ لیتا اور خود اپنے بچوں کو کھانے کے لیے دیتا۔ چڑیوں کا یہ جوڑا باز کے اس ظلم سے تنگ آچکا تھا۔ لیکن اپنا آشیانہ اور اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور جانا پسند نہ کرتے تھے اس لیے چپ چاپ اس کا ظلم سہہ لیتے تھے۔

ایک بار پھر انھوں نے بچے نکالے اور جب وہ اڑنے کے قریب ہوئے تو ماں باپ بڑے خوش ہوئے۔ لیکن اچانک انھیں باز کا خیال آگیا اور ان کی ساری خوشی کافور ہوگئی۔ انھوں نے سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ظالم باز انھیں بھی اپنے ظلم کا نشانہ

بنالے۔ یہ خیال آتے ہی دونوں رونے دھونے لگے۔ ان میں سے ایک بچہ، جس کی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی، ماں باپ کا یہ حال دیکھ کر بے چین ہوگیا اور ان سے پہلے خوش ہونے اور پھر رنجیدہ ہونے کا سبب دریافت کرنے لگا۔ انھوں نے کہا ــــــ

"بیٹا! ہم سے اس کا سبب نہ پوچھو۔ ہمارے دل میں آگ لگی ہوئی ہے اور بہتی ہوئی آنکھیں خود یہ کہانی سنا رہی ہیں" یہ کہہ کر انھوں نے ظالم باز کی ساری داستان انھیں سنائی کہ کس طرح اس نے اُن کے بچے ان سے چھین لیے۔ جب بچے نے یہ سنا تو بولا۔

"آپ لوگ پریشان اور غمگین نہ ہوں۔ موت کے حکم سے سرتابی کی کس کو مجال ہے؛ لیکن اللہ نے ہر درد کی دوا عطا کی ہے اور ہر غم کا علاج بخشا ہے۔ اگر ہم اس ظالم باز کے ظلم وستم سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں تو ممکن ہے اس بار بچ جائیں اور وہ اپنے ارادے میں ناکام ہو۔"

بچے کی یہ بات انھیں پسند آئی۔ دونوں ایک ساتھ اڑے چڑیا نے غذا کی تلاش میں پرواز کی اور چڑے نے باز کے ظلم وستم سے چھٹکارا پانے کی تدبیر سوچنے کے لیے جنگل کی راہ لی۔ ابھی اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا تھا کہ اچانک اڑتے اڑتے اس کی نظر ایک عجیب غریب کیڑے پر پڑی جسے سمندر کہتے ہیں۔ چڑے نے دل میں سوچا کہ اگر میں اس سے اپنی داستان بیان کروں تو ممکن ہے کوئی حل نکل آئے اور وہ میری مدد کرے۔ فوراً اس کے قریب جاکر اسے سلام کیا اور اس کی بندہ پروری اور

غریب نوازی کی تعریف کرنے لگا۔ سمندر سمجھ گیا۔ اس نے فوراً پوچھا۔

"تم کچھ اداس اور پریشان نظر آتے ہو؟ آخر کیا بات ہے؟ اگر سفر کی تھکان ہے تو کچھ دیر یہیں ٹھہر جاؤ اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو حال بیان کرو مجھ سے جتنا ممکن ہوگا میں تمھاری مدد کروں گا۔"

چڑیا نے اتنے دکھ بھرے انداز میں اپنا حال بیان کیا کہ سمندر کی بھی آنکھیں بھر آئیں اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"صبر سے کام لو۔ انشاءاللہ بہت جلد میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلاؤں گا اور ایسی تدبیر کروں گا کہ اس ظالم کا آشیانہ راکھ کا ڈھیر ہو جائے گا۔ البتہ تم مجھے اپنا اور اس کا ٹھکانہ بتا دو" چڑے نے اسے دونوں آشیانے بتا دیے۔ اس کے بعد چڑا رخصت ہو کر خوشی خوشی اپنے آشیانے کی طرف چلا۔

سمندر رات ہوتے ہی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گندھک لے کر اس مقام پر پہنچا اور باز کے آشیانے کے پاس آہستہ آہستہ پہنچ کر تمام گندھک اس پر چھڑک دی۔ وہ ظالم اپنے بچوں کے ساتھ گہری نیند سو رہا تھا۔ اسی وقت خدا کے حکم سے تھوڑی تیز ہوا چلی اور آگ بھڑک اٹھی اور باز اور اس کے بچے جل کر خاک ہو گئے۔

---

# 9

# بدی کی سزا بدی ہے

پرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جو بڑا ہی ظالم، خونخوار اور جفا پیشہ تھا ہمیشہ غریبوں اور کمزوروں پر ظلم کرتا تھا۔ ایک فقیر نے اس کے لیے بد دعا کی اور اس پر لعنت ملامت بھیجی۔ ایک دن وہ بادشاہ شکار سے لوٹا تو منادی کرادی کہ "میں نے ایک عمر تک غریبوں اور کمزوروں پر ظلم وستم کیا۔ انھیں طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ آخرت میں سچے دل سے توبہ کروں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آج سے کبھی اپنی رعایا کو آزار نہ پہنچاؤں گا اور کسی ستم گر کے قدم اپنی سلطنت کے کسی گلی کوچے میں پڑنے نہ دوں گا۔"

اس خوشخبری سے رعایا کی جان میں جان آئی اور کچھ ہی دنوں میں اس کا عدل و انصاف یہاں تک پہنچا کہ اس کا لقب "بادشاہِ دادگر" مشہور ہو گیا۔ اس کے دور میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔

بادشاہ کے ایک مصاحب نے ایک دن موقع پاکر بادشاہ سے اس اچانک

تبدیلی کی وجہ دریافت کی اور کہا؛

"جہاں پناہ کی عمرِ دراز ہو۔ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ مزاج عالی اچانک ظلم جفا سے رحم انصاف کی طرف راغب ہوا؟" بادشاہ نے جواب دیا۔

"میں ایک دن شکار کو گیا۔ تھک کر ایک درخت کے سائے تلے کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ایک کتے پر پڑی جو ایک لومڑی کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا۔ اس نے لومڑی کا پاؤں پکڑ کے اسے اتنی زور سے چبایا کہ اس کی ہڈیاں چور چور ہوگئیں اور وہ چیختی چلاتی ایک غار میں داخل ہوئی۔ وہ کتا تھوڑی دور گیا تھا کہ ایک راہرو نے اسے زور کا پتھر مارا اور کتے کی ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔ وہ شخص چند قدم چلا تھا کہ گھوڑے نے لات ماری اور وہ بھی لنگڑا ہوگیا۔ گھوڑا تھوڑی دور گیا تھا کہ اس کا پاؤں ایک گڑھے میں پڑ گیا اور اس کی ہڈی بھی چور چور ہوگئی۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے دل میں خیال کیا کہ بدی کی سزا بدی ہے۔ ان سبھوں نے جیسا کیا ویسا پایا۔ جو جیسا عمل کرے گا اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی ہوگا۔"

---

10

# دشمن سے نجات

ایک کوے نے ایک پہاڑ کے دامن میں اپنا آشیانہ بنایا تھا۔ اس آشیانے کے نزدیک ایک سوراخ تھا جس میں ایک زہریلا سانپ رہتا تھا۔ جب کوّے کی مادہ اپنے بچّے پیدا کرتی، سانپ انھیں نکال کر کھا لیتا تھا۔ کوّا اپنے بچّوں کی جدائی سے بے حد پریشان تھا اور سانپ کے ظلم و ستم سے اس کے دکھ میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے عزیز دوست بھیڑیے سے حقیقتِ حال بیان کی اور کہا۔

"میں اس زندگی سے موت کو ہزار ہا درجہ بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ اس ظالم سانپ کے ہاتھ سے نجات پانے کی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی۔ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مجھے اس جگہ سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ اسے چھوڑنا بھی گوارا نہیں اور میری غیرت بھی اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ اپنے بچّوں کا خون کا قصاص لیے بغیر یہاں سے چلا جاؤں۔ تم میرے وفادار دوست ہو۔ کوئی تدبیر بتاؤ کہ میں اس غم سے نجات پاؤں۔"

بھیڑیے نے کہا۔ "تمہارے دماغ میں کوئی ترکیب ہے؟

کوّے نے کہا۔ "ہاں میں سوچتا ہوں کہ جب رات کو یہ سانپ غافل ہو کر سو جائے تو میں اپنی چونچ سے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دوں"

بھیڑیئے نے کہا۔ " یہ تدبیر ٹھیک نہیں اور عقلمند دشمن کا مقابلہ اس طرح نہیں کرتے کہ خواہ مخواہ خطرہ مول لیں۔ اس تدبیر پر ہرگز عمل نہ کرنا کیونکہ اکثر لوگ اپنی تدبیر سے خود ہی ہلاک ہوئے ہیں۔ میں تمہیں وہ ترکیب بتاؤں گا کہ اگر تم اس کے مطابق عمل کرو تو دشمن ہلاک ہو جائے اور تم ہمیشہ کے لیے محفوظ۔"

کوّے نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟

بھیڑیئے نے کہا۔ "گاؤں کی طرف اڑو اور دائیں بائیں ہر طرف نظر دوڑاؤ اور کوئی چیز ایسی جسے تم اپنی چونچ میں اٹھا سکتے ہو اسے لے کر اڑو۔ مگر اس طرح کہ آدمیوں کی نظر سے غائب نہ ہو۔ ان کے سامنے رہو یقیناً اس چیز کا مالک تمہارا تعاقب کرے گا اور جب تم سانپ کے قریب پہنچ جاؤ تو اس چیز کو وہیں گرا دو۔ جب لوگ سانپ کو دیکھیں گے تو پہلے اس کا کام تمام کر دیں گے اور پھر اپنی چیز لیں گے اور تم بآسانی اپنے دشمن سے نجات پاؤ گے۔"

کوّے نے بھیڑیئے کی ہدایت کے مطابق گاؤں کی طرف پرواز کی۔ دیکھا کہ ایک گھر کے کوٹھے پر ایک عورت نہا رہی ہے اور اس کے کپڑے سامنے رکھے ہیں۔ کوّا ان میں سے ایک کپڑا اپنی چونچ میں لے کر اڑا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے۔ وہ بھیڑیئے کے کہنے کے مطابق آہستہ آہستہ اڑتا رہا۔ جب سانپ کے نزدیک پہنچا تو اس کپڑے کو وہیں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے آتے ہی سانپ کا کام تمام کر دیا اور کوّے نے اپنے دشمن سے نجات پائی۔

# 11

# دھوکے باز مچھیرا

ایک ماہی گیر ایک دریا کے کنارے رہتا تھا اور مچھلیوں پر گزر بسر کرتا تھا۔ وہ ہر روز حسب ضرورت مچھلیاں پکڑتا اور انہیں بیچ کر اپنی روزی حاصل کرتا۔ جب وہ وہ بوڑھا ہو گیا اور طاقت جواب دے گئی تو اس میں شکار کی ہمت نہ رہی۔ وہ بڑا پریشان ہوا۔ دل میں سوچنے لگا۔ "افسوس میں نے اپنی ساری عمر غفلت میں گزاری اور کوئی ایسا ذخیرہ نہ کیا جو بڑھاپے میں میرے کام آتا۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا تدبیر کروں اور کس طرح اپنی مدد کروں۔ بہتر یہی ہے کہ اب فریب اور دھوکے کا جال بچھاؤں کیونکہ اس کے سوا کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔" یہ سوچ کر ایک دن روتا دھوتا، آہ و زاری کرتا ایک تالاب کے کنارے آ بیٹھا۔ ایک کیکڑے نے جو اس کو ایک زمانے سے جانتا تھا، سر باہر نکال کر اس سے پوچھا۔

"دوست! کیا بات ہے؟ آخر آج تم اتنے اداس کیوں ہو؟

ماہی گیر نے کہا "اداس کیسے نہ ہوں؟ تمہیں تو پتہ ہے کہ میری زندگی کا سرمایہ یہی

تھا کہ میں اس تالاب سے حسب ضرورت ایک دو مچھلیاں شکار کر کے اس سے روزی کماتا تھا۔ مچھلیوں کو بھی کوئی خاص ضرر نہیں پہنچتا تھا اور میری زندگی بھی قناعت اور آرام سے گزر رہی تھی۔ آج دو شکاری یہاں سے گزرے جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ " اس تالاب میں بے شمار مچھلیاں ہیں ان کی کوئی ترکیب کرنی چاہیے" ایک نے کہا فلاں تالاب میں اس سے بھی زیادہ مچھلیاں ہیں پہلے ان کا کام تمام کریں پھر ان کی طرف رُخ کریں" اگر یہی حال رہا تو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے میں تو مر جاؤں گا"

کیکڑے نے جب یہ خبر سنی تو فوراً مچھلیوں کے پاس گیا اور انھیں یہ دہشتناک خبر سنائی۔ تمام مچھلیاں گھبرا کر کیکڑے کے ساتھ ماہی گیر کے پاس آئیں اور کہا ــــ

"ہمیں تمھاری طرف سے جو خبر ملی ہے اس سے ہماری ساری امیدیں ہاتھ سے جاتی رہیں اور کوئی تدبیر سجھائی نہیں دے رہی ہے اب ہم تمہیں سے مشورہ لینے آئے ہیں کہ کیا کریں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے عقلمند دشمن بھی نیک صلاح دیتا ہے اور اب جبکہ تمھارا اپنا فائدہ بھی ہماری زندگیوں سے وابستہ ہے، تم ہی بتاؤ ہمارے بچنے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے؟

ماہی گیر نے جواب دیا۔" میں نے شکاریوں کی زبان سے یہ بات خود اپنے کانوں سے سنی ہے اور ان سے مقابلے کی کوئی صورت مجھے نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ یہاں سے قریب ہی ایک تالاب ہے جس کا پانی بے حد صاف و شفاف ہے، اس تک نہ کوئی تیراک پہنچ سکتا ہے، نہ کوئی سیاح اور نہ ہی کسی شکاری کی آنکھ اس پر پڑ سکتی ہے۔

اگر تم سب وہاں منتقل ہو جاؤ تو اپنی باقی عمر عیش و آرام سے گذار سکتے ہو۔"

مچھلیوں نے کہا۔ تمہارا مشورہ معقول ہے مگر تمہاری مدد کے بغیر ہمارا یہاں سے منتقل ہونا نا ممکن ہے۔"

ماہی گیر نے جواب دیا۔" مجھ سے جتنی مدد ہو سکے گی، ضرور کروں گا۔ لیکن وقت بہت کم ہے اور شکاری لحہ بہ لحہ اس طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔" موت کے خیال سے مچھلیاں بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئیں۔ لہٰذا یہ طے پایا کہ ہر روز کچھ مچھلیاں اس تالاب سے اس تالاب میں پہنچائی جائیں۔ ماہی گیر ہر صبح چند مچھلیاں پکڑتا اور گھر لے جا کر انہیں کھا لیتا اور جب واپس لوٹتا تو دوسری مچھلیاں منتقل ہونے کے لیے عجلت کا اظہار کرتیں عقل ان کی غفلت پر روتی تھی اور کہتی تھی کہ جو دشمن کی باتوں میں آئے گا بدکرداروں پر اعتماد کرے گا اس کا انجام یہی ہوگا۔

جب بہت دن گزر گئے تو کیکڑے کو بھی اشتیاق ہوا کہ اس تالاب کی سیر کی جائے ماہی گیر نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر میرا کوئی دشمن نہیں۔ کیوں نہ اسے بھی اسی جگہ پہنچا دوں۔ یہ سوچ کر کیکڑے کی گردن پکڑی اور اس طرف چل پڑا جہاں بیٹھ کر مچھلیوں کو کھایا کرتا تھا۔ کیکڑے نے دور سے ہی مچھلیوں کے کانٹے دیکھ لیے اور سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ دل میں سوچا کہ" جب عقلمند یہ دیکھتا ہے کہ دشمن اس کی جان کے درپے ہے اور پھر بھی کوئی کوشش نہیں کرتا خود اپنے ہاتھ اپنے خون سے رنگتا ہے اور اگر کوشش کرتا ہے تو اس کا نتیجہ دونوں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے

یا توکامیاب ہونے پر امر ہو جاتا ہے یا ناکام رہے تو ساری عمر مطعون ہو جاتا ہے"۔
یہ خیال آتے ہی کیکڑے نے فوراً ماہی گیر کی گردن پر چڑھ کر اس کا گلا دبا دیا۔
ماہی گیر چونکہ بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا لہٰذا فوراً بے ہوش ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر میں دم توڑ دیا۔ کیکڑا لوٹ کر پھر اسی تالاب پر گیا اور بقیہ مچھلیوں کو سارا ماجرا سنایا اور انھیں زندہ بچ جانے پر مبارکباد دی۔ تمام مچھلیاں خوش ہو گئیں اور انھوں نے کیکڑے کا شکریہ ادا کیا۔

---

# 12

# ایک سے بڑھ کر ایک

ایک بھیڑیا بھوک سے بے تاب ہو کر غذا کی تلاش میں جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا وہیں ایک خرگوش جھاڑیوں میں گہری نیند سو رہا تھا۔ بھیڑیئے کی نظر اس پر پڑی تو اسے غنیمت جانا اور آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا۔ خرگوش نے خطرے کی بو پا کر چھلانگ لگائی اور بھاگنے کی کوشش کی۔ بھیڑیے نے اس کا راستہ روک کر کہا۔

"کہاں جاتا ہے؟" خرگوش پر خوف غالب ہوا۔ خوشامد شروع کی اپنا منہ زمین پر رگڑ کر کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ بھوک کی آگ شعلہ فشاں ہے جس کی وجہ سے جہاں پناہ بے چین و بے قرار ہیں اور غذا کے طلب گار ہیں۔ مگر مجھ جیسا چھوٹا موٹا جانور آپ کے لیے کافی نہیں یہ تو ایک نوالے سے زیادہ نہیں۔ البتہ یہاں قریب ہی ایک لومڑی رہتی ہے جس کا موٹاپے کی وجہ سے چلنا دوبھر ہے اور اس کا گوشت تازگی میں آبِ حیات سے زیادہ ہے۔ اگر جہاں پناہ وہاں تک قدم رنجہ فرمائیں تو میں اسے کسی حیلے سے پکڑ دوں گا تاکہ آپ کا

ناشتہ معقول اور پیٹ بھر کے ہو اور اگر اس پر بھی سیری نہ ہو تو میں حاضر ہوں مجھے نوش فرمائیے۔

بھیڑیا خرگوش کی جادو بھری باتوں پر فریفتہ ہو کر لومڑی کی سمت روانہ ہوا۔ وہ لومڑی مکاری اور دھوکے بازی میں شیطان کی خالہ تھی۔ خرگوش کو اس سے پرانا بیر تھا اس موقع کو غنیمت جان کر وہ اس سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ خرگوش جب لومڑی کے غار کے قریب پہنچا تو بھیڑئیے کو باہر کھڑا کر کے خود اندر داخل ہوا۔ بڑے احترام سے لومڑی کو سلام کیا۔ لومڑی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا اور کہا۔ "خوش آمدید۔ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ آؤ بیٹھو تا کہ کچھ دیر باتیں کریں۔"

خرگوش نے کہا۔ "مجھے ایک عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ آپ سے شرف ملاقات حاصل کروں لیکن انقلابِ زمانہ کی جفا کاریوں کے باعث اب تک اس سعادت سے محروم تھا۔ اس دوران ایک بزرگ جو کرامت اور ولایت میں بے مثال ہیں یہاں تشریف لائے ہیں اور آپ کی گوشہ نشینی کا شہرہ سُن کر آپ کے دیدار کے خواہش مند ہیں۔ اگر اجازت ہو تو بہتر ہے اور اگر دل نہ چاہے تو پھر کسی موقع پر دیکھا جائے گا۔"

لومڑی نے اس چرب زبانی کو سمجھ لیا اور دل میں سوچا کہ میں بھی ان کے ساتھ انہیں کی طرح سلوک کروں اور اُن کا دیا ہوا شربت انہیں کے حلق میں انڈیل دوں۔

"میں نے مسافروں کی خدمت میں کمر باندھی ہے اور اپنے گھر کا دروازہ مہمان پر کھول رکھا ہے۔ خصوصاً ایک بزرگ، جس کا بیان تم نے اس خوبی سے کیا ہے

اور ایسا صاحب کمال جس کی تعریف اس درجہ فرمائی ہے۔ اس کی مہمان داری میں کیونکر بھول سکتی ہوں۔ کیونکہ بزرگوں نے بھی کہا ہے کہ مہمان جب آتا ہے، اپنا رزق ساتھ لاتا ہے۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ تم اتنا وقت ضرور دو گے کہ میں اپنے گھر کو صاف کر لوں اور قدمِ مبارک کے لیے کوئی فرش بچھاؤں۔"

خرگوش سمجھا کہ میرا جادو اس پر اثر کر گیا۔ جواب دیا۔

"مہمان بے تکلف اور درویش صفت ہے اسے آرائشِ مکان اور فرش کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کبھی کوئی تکلف ہو تو اس سے کوئی مضائقہ نہیں۔"

یہ کہہ کر باہر آیا اور تمام ماجرا بھیڑیے سے کہا اور ایک بار پھر اسے تازہ گوشت کی لالچ دی۔ بھیڑیا اس لالچ میں اپنے تیز کیے ہوئے منہ چلا رہا تھا اور خرگوش اس تصور میں تھا کہ جب یہ لومڑی کے کھانے میں مصروف ہو گا، میں فرار ہو جاؤں گا۔ لیکن جہاں دیدہ لومڑی نے بہت پہلے احتیاطاً اس غار کے ایک گوشے میں گڑھا کھود رکھا تھا اور اس کے منہ پر گھاس پھوس بچھا دی تھی اور اپنے باہر نکلنے کے لیے ایک الگ راہ بنالی تھی۔ جلدی سے گھاس پھوس کو درست کر کے آواز دی۔

"اے مہمانو! جلد قدم رنجہ فرمائیے۔" یہ کہہ کر خود اس خفیہ راستے پر جا کھڑی ہوئی۔ خرگوش اور بھیڑیا دونوں جلدی سے اندر داخل ہوئے۔ جیسے ہی ان کا پاؤں گھاس پر پڑا۔ دونوں اس گڑھے میں جا گرے۔ بھیڑیا سمجھا کہ یہ دھوکا اسی خرگوش نے دیا ہے اور مجھے گرفتار کروایا ہے۔ غصے میں آکر خرگوش کو چیر ڈالا اور خود بھی ہلاک ہوا اور لومڑی اپنی چالاکی سے بچ گئی۔

# 13

# عقلمند خرگوش

بغداد کے قریب ایک مرغ زار تھا جہاں کی ہوائیں جنّت کی طرح خوشبودار تھیں اور جس کے پھل ستاروں کی طرح چمکدار۔ اس مرغ زار میں بے شمار جانور تھے جو یہاں کی خوشگوار آب و ہوا میں ہنسی خوشی بسر کرتے تھے۔ ان سے کچھ دوری پر ایک تندخو اور ظالم شیر رہتا تھا، جو ہر روز ان کی درگت بناتا تھا اور ان کے عیش و آرام میں خلل ڈالتا تھا۔ ایک روز وہ سب مل کر شیر کے پاس پہنچے اور نہایت عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جہاں پناہ ہم آپ کی رعایا ہیں اور آپ ہر روز بڑی محنت اور مشقت سے ہم میں سے ایک کو شکار کرتے ہیں ہم سب بھی اس خوف سے پریشان رہتے ہیں۔ اس لیے ہم نے طے کیا ہے کہ آپ کو بھی فراغت حاصل ہو اور ہم کو بھی چین ملے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم ہر روز صبح آپ کا ناشتہ خود پہنچا دیا کریں اور کبھی اس کام میں سُستی نہ کریں۔"

شیر نے خوش ہو کر اس کی اجازت دے دی۔ جانور روزانہ قرعہ نکالتے اور جس کے
نام بھی قرعہ آتا اس کو ناشتے کے لیے شیر کے پاس بھجوا دیتے۔ اس طرح کئی روز گذر گئے۔
ایک روز ایک خرگوش کے نام قرعہ نکلا۔ اس نے اپنے دوستوں سے کہا۔ "اگر میرے
بھیجنے میں تھوڑی تاخیر کرو تو میں تمہیں اس ظلم سے نجات دلا سکتا ہوں۔"

انھوں نے کہا۔ "ہمیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

خرگوش تھوڑی دیر تک ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ ناشتہ کا وقت گزر گیا اور
شیر کی بھوک تیز ہو گئی اور اشتعال میں آ گیا۔ خرگوش آہستہ آہستہ اس کی جانب روانہ
ہوا۔ جب وہ وہاں پر پہنچا تو شیر کو بے حد مشتعل پایا۔ بھوک اور غصے سے اس کا چہرہ
سرخ ہو رہا تھا۔ وہ غضبناک ہو کر زمین پر پنجے مار رہا تھا۔ خرگوش نہایت آہستہ
سے اس کے سامنے آیا اور ادب سے سلام کیا۔ شیر نے غصے سے پوچھا۔

"تم کہاں سے آئے ہو اور جانوروں کا کیا حال ہے؟"

خرگوش نے جواب دیا۔ انھوں نے حسب معمول ایک خرگوش میرے ہمراہ
آپ کے لیے بھیجا تھا لیکن اتفاق سے میں ایک اور شیر کے یہاں ملازم ہوں۔ وہ شیر
ہمیں راستے میں ملا۔ اس سے میں نے کتنی عاجزی کی کہ یہ ہمارے بادشاہ کا ناشتہ
ہے۔ لیکن وہ نہیں مانا اور کہا کہ یہ میری شکار گاہ ہے اور یہ شکار مجھے ملنا چاہیے
اور اس درجہ بڑائی ہانکنے لگا کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ مجھ غریب میں اس کے
مقابلے کی طاقت کہاں تھی؟ بڑی مشکل سے اس سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تاکہ آپ کو

اس صورتِ حال سے آگاہ کر دوں"۔

بھوکے شیر کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور اس نے کہا۔

"کس کی مجال ہے جو میرے سامنے یوں بہادری کا دعویٰ کرے؟ اور اپنی بڑائی بگھارے؟ اور اس طرح میرے شکار پر ہاتھ مارے۔ اگر ممکن ہو تو مجھے اس شیر کا پتہ بتا دو تاکہ میں اس سے بدلہ لے سکوں" یہ کہہ کر شیر اس کے پیچھے پیچھے چلا خرگوش اسے ایک کنویں کے پاس لایا جس کا پانی آئینے کی طرح صاف تھا اور جس میں ہر کسی کا عکس صاف دکھائی دیتا تھا خرگوش نے شیر سے کہا۔

"آپ کا نابکار دشمن اسی کنوئیں میں رہتا ہے اور میں بھی اس کے خوف سے ڈرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنی گود میں لے کر اس کنوئیں میں جھانکیں تو میں بتا دوں"

شیر نے اسے گود میں لے کر کنویں میں جھانکا۔ اپنا اور خرگوش کا عکس پانی میں دیکھا تو سمجھا کہ یہ وہی شیر ہے جو میرا شکار ہتھیائے ہوئے ہے۔ فوراً کنویں میں چھلانگ لگائی اور چند لمحوں میں ڈھیر ہو گیا۔ خرگوش سلامتی کے ساتھ لوٹا اور جانوروں کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وہ شکر خدا بجا لائے اور امن و امان سے رہنے لگے۔

---

## 14

# تین مچھلیاں

کسی جگہ ایک تالاب تھا جو شارع سے ہٹ کر عوام کی نگاہوں سے مخفی اور پوشیدہ تھا اس کا پانی صوفیوں کے دلوں کی طرح صاف تھا اور پینے والوں کے حق میں آب حیات تھا۔ اس تالاب میں تین مچھلیاں رہتی تھیں جن میں سے ایک بے حد محتاط دوسری تھوڑی صاحب تدبیر اور تیسری بالکل کم عقل تھی۔

ایک روز اچانک موسم بہار میں تین ماہی گیروں کا وہاں سے گزر ہوا۔ اتفاق سے انھیں ان مچھلیوں کی خبر ہوئی جو اس تالاب میں رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک ماہی گیر فوراً جال لانے کے لیے دوڑا اور بقیہ دو ماہی گیر ان مچھلیوں کو پکڑنے کی ترکیب کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ جسے مچھلیوں نے سن لیا۔ جال آتے آتے رات ہوگئی وہ مچھلی جو سب سے محتاط تھی اور جس نے زمانے کے سرد و گرم دیکھے تھے اپنی نجات کی تدبیر کرکے دوسری مچھلیوں کو اطلاع دیے بغیر ایک دوسرے تالاب میں جو اسی تالاب سے ملا ہوا تھا، منتقل ہوگئی۔ صبح شکاریوں نے اس تالاب کی دونوں جانب سے جال

ڈالا۔ وہ مچھلی جو تھوڑی صاحبِ تدبیر تھی جب اس نے یہ حال دیکھا تو بہت پشیمان ہوئی اور دل میں سوچا کہ میں نے غفلت کی اور اپنے انجام کا خیال نہ کیا۔ اگر میں بھی اس عقل مند مچھلی کی طرح احتیاط سے کام لیتی اور اپنی رہائی کی تدبیر کرتی تو بہتر تھا۔ واقعی بیماری سے پہلے ہی اس کا علاج کر لینا چاہیے۔ اب کسی تدبیر کا موقع نہیں ہے۔۔ بہرحال عقل مند کو چاہیے کہ ناامید نہ ہو اور حتی الامکان کوشش کرتا رہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے آپ کو مردہ ثابت کیا اور پانی پر تیرنے لگی۔ شکاریوں نے اسے مردہ سمجھ کر اٹھا لیا اور تالاب کے کنارے پر ڈال دیا۔ جب شکاری جال کھینچنے میں مشغول ہوئے تو یہ تڑپ کر دوسرے تالاب میں چلی گئی اور اس طرح تدبیر کر کے اپنی جان بچالی۔

تیسری مچھلی جو غفلت شعار اور بے وقوف تھی حیران و پریشان اِدھر اُدھر سر مارتی پھرتی تھی۔ آخر جال میں گرفتار ہوئی اور اپنی سستی اور کم عقلی کے سبب موت کے منہ میں پہنچ گئی۔

---

# 15

# کچھوا اور بچھّو

ایک کچھوے اور بچھو میں بہت دوستی تھی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے اور ایک دوسرے کا دم بھرتے۔ ایک دن اتفاق سے دونوں کو اپنا مسکن چھوڑنا پڑا چلتے چلتے ان کا گذر ایک بڑے دریا کے پاس سے ہوا۔ چونکہ بچھو دریا پار کرنے سے قاصر تھا لہٰذا بڑا پریشان ہوا کچھوے نے کہا۔ "اے میرے پیارے دوست کیا بات ہے جو تم اتنے اداس ہو گئے؟

بچھّو نے کہا۔ "اس دریا کو پار کرنے کے لیے خوف سے میں کافی پریشان ہوں۔ نہ میں دریا پار کر سکتا ہوں اور نہ اپنے دوست کی جدائی برداشت کر سکتا ہوں۔"

کچھوے نے کہا: "غم نہ کرو میں تمہیں اپنی پیٹھ پر سوار کرکے اپنے سینے کو تیرے لیے سپر بنا دوں گا۔ ایک دوست بڑی مشکل سے ملتا ہے اسے اتنی آسانی سے کھو دینا، واقعی افسوس کی بات ہوگی۔"

کچھوے نے بچھو کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا اور روانہ ہوا۔ بیچ دریا میں تیرتے

تیرتے کچھوے کے کانوں میں ایک آواز سی آئی اور اسے بچھو کی حرکت کا احساس ہوا۔ اس نے پوچھا۔" یہ کیسی آواز ہے جو میں سن رہا ہوں۔ اور یہ کونسا کام ہے جس میں تم اتنے مشغول ہو؟"

بچھو نے کہا۔" اپنے ڈنک کی چبھن کو تمہارے جسم پر آزما رہا ہوں"

کچھوے کو غصہ آگیا اور کہا۔

بے مروت! میں نے تیرے لیے اپنے آپ کو گرداب کے خطرے میں ڈالا اور اپنی پیٹھ کو تیرے لیے کشتی بنایا اور تو احسان نہیں مانتا۔ پرانی دوستی کا پاس نہیں کرتا۔ اس طرح ڈنک مارنے کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ تو یہ جانتا ہے کہ تیری اس حرکت سے میری پیٹھ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور میری چٹان جیسی پیٹھ پر تمہارا ڈنک بے اثر ہوگا۔"

بچھو نے کہا۔" معاذ اللہ! یہ خیال میرے دل میں بھول کر بھی نہیں آیا۔ مگر اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ ڈنک مارنا میری فطرت ہے خواہ وہ زخم دوست کی پیٹھ پر آئے یا دشمن کے سینے پر۔"

کچھوے نے دل میں کہا۔" بزرگوں نے صحیح کہا ہے کہ بد اصل کی پرورش کرنا اپنی آبرو کھونا ہے۔" کچھوے نے پانی میں ایک غوطہ لگایا اور بچھو دریا میں ڈوب گیا۔

---

# 16

# بطخ اور چاند

ایک دن ایک بطخ نے پانی میں چاند کا عکس دیکھا اور سمجھی کہ یہ مچھلی ہے۔ ارادہ کیا کہ اسے پکڑلے۔ مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ کئی بار یہ کوشش کی اور جب دیکھا کہ اس کا شکار لاحاصل ہے اس سے کنارہ کرلیا اور اس کے بعد مچھلی کا شکار ہمیشہ کے لیے ترک کردیا۔

دوسری رات جب اس نے پانی میں مچھلی دیکھی تو یہی سمجھا کہ چاند کا عکس ہے اور اس کا شکار نہ کیا۔ اس کی طرف ذرا بھی راغب نہ ہوئی۔ یہی حال دو تین راتوں تک چلتا رہا۔ اس تجربے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لگاتار کئی روز تک بھوکی رہی اور دانہ دنکے پر بسر کرتی رہی یہاں تک کہ کمزور ہو کر مرگئی۔

---

# 17

# باز اور مرغ

ایک مرتبہ ایک شکاری باز اور ایک پالتو مرغ کے ساتھ مسلسل بحث ومباحثہ کرنے لگا اور اس سے کہا۔

"تم نہایت بے وفا اور بدعہد ہو اور وفا، با اخلاق لوگوں کا پسندیدہ فعل ہے کیونکہ وعدہ وفا کرنا عین ایمان ہے اور جوانمردی اور مروّت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آدمی کسی سے بے وفائی نہ کرے۔"

مرغ نے جواب دیا۔ "تم نے میری کونسی بے وفائی دیکھی ؟ اور مجھ میں کون سی بدعہدی نظر آئی ؟"

باز نے کہا۔ "تمہاری بے وفائی کی پہچان یہ ہے کہ انسان تم سے اتنے لطف و کرم سے پیش آتا ہے اور تمہارے لیے آب و دانہ فراہم کرتا ہے جو زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ تمہیں خود اس کے لیے زحمت اور تکلیف اٹھانی نہیں پڑتی۔ وہ کبھی تمہارے حال سے بے خبر نہیں رہتا۔ تمہاری حفاظت کا انتظام کرتا ہے اور اسی کے طفیل تمہیں

کھانے اور رہنے کا ٹھکانہ ملتا ہے۔ لیکن جب کبھی وہ تمہیں پکڑنے کی کوشش کرتا ہے
تم اِدھر اُدھر آگے پیچھے، ایک کوٹھے سے دوسرے کوٹھے پر اڑ جاتے ہو اور ایک کونے سے
دوسرے کونے میں بھاگتے پھرتے ہو۔ میں ایک جنگلی پرندہ سہی۔ لیکن اگر دو تین روز
ان کے ساتھ رہ جاؤں۔ ان کا دیا ہوا کھاؤں تو اپنا کیا ہوا شکار بھی انہیں دے دوں
اور چاہے ان سے کتنی ہی دور رہوں ان کی صرف ایک آواز سُن کر اڑتا ہوا واپس
لوٹ آؤں۔"

مرغ نے جواب دیا۔ "تمہارے لوٹنے اور میرے بھاگنے کا سبب یہ ہے کہ
تم نے کبھی کسی باز کو سیخ میں کباب ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جبکہ میں نے بے شمار مرغ
کو بھنتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگر تم بھی یہ دیکھ لیتے تو ہرگز انسان کے پاس لوٹ کر آنے کی
بات نہ کرتے بلکہ جس طرح میں ایک کوٹھے سے دوسرے کوٹھے پر بھاگتا پھرتا ہوں،
تم ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر بھاگتے پھرتے۔"

---

18

# بلبل اور مالی

ایک مالی کے پاس ایک باغ تھا جو رنگا رنگ پھولوں سے مالا مال تھا۔ اس میں بڑی خوشگوار ہوائیں چلتی تھیں اور دل شاد ہو جاتا تھا۔ جو بھی اس کی سیر کو آتا اس کا واپس جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ مالی روزانہ صبح اس باغ کی سیر کرتا تھا اور ایک ایک پودے اور پھول کو دیکھتا تھا۔

ایک دن مالی حسب معمول باغ کی سیر کے لیے آیا تو اس کی نظر ایک بلبل پر پڑ گئی جو ایک پھول کی پنکھڑی پر اپنا منہ مل رہی تھی اور اپنی تیز چونچ سے پنکھڑیاں نوچ رہی تھی۔ مالی پھولوں کی یہ درگت دیکھ کر پریشان ہو گیا اور اس کا دل بے قرار ہو گیا۔ وہ فوراً وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ دوسرے دن بھی وہی حال ہوا اور اسے دلی تکلیف پہنچی۔ تیسرے دن بھی بلبل کی چونچ سے پھول مرجھا گیا۔ مالی کو بلبل سے بڑی نفرت سی پیدا ہوئی اور آخر کار کسی بہانے سے اسے گرفتار ہی کر لیا اور ایک پنجرے

بلبل نے مالی سے کہا — "مجھے تم نے کس جرم کی پاداش میں قید کیا ہے اور کس سبب سے مجھے سزا دینے کا خیال تمہارے دل میں آیا ہے؟ اگر یہ میری نغمہ سرائی کی وجہ کیا ہے تو میرا آشیانہ تمہارے باغ میں ہی ہے اور ہر صبح میں اس میں نغمہ سرائی کرتی ہوں اور اگر کسی دوسری وجہ سے یہ خیال تمہارے دل میں آیا ہے تو مجھے اپنے مقصد سے آگاہ کرو اور اپنے دل کی بات بتاؤ"۔

مالی نے کہا۔ "کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے مجھ پر ظلم کیا ہے؟ اور مجھے اپنے محبوب کی جدائی سے کس طرح غمگین کیا ہے؟ اس حرکت کی یہی سزا ہو سکتی ہے کہ میں تمہیں اپنے محبوب اور اپنے علاقے سے تمہیں دور کر دوں اور باغ کی سیر سے محروم کر دوں تاکہ تم قید خانے کے گوشے میں روتے رہو کیونکہ میں بھی ہجر کے غم میں مبتلا اپنے گھر میں رو رہا ہوں"

بلبل نے کہا۔ "مجھے اس کے لیے معاف کرو اور سوچو کہ محض اتنے سے جرم میں کہ میں نے ایک پھول کو بکھیر دیا گرفتاری کی سزا بھگت رہا ہوں اور تم نے جو کسی کے دل کو توڑ دیا ہے تو تمہارا کیا حال ہونا چاہیے"۔

یہ بات مالی کے دل پر اثر کر گئی اور تڑپ کر اس نے بلبل کو آزاد کر دیا۔ بلبل نے زبان کھولی اور کہا — "چونکہ تم نے میرے ساتھ نیکی کی ہے اور خدا فرماتا ہے کہ احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے۔ میں بھی تمہارے احسان کا بدلہ چکانا چاہتی ہوں۔ اس درخت کے نیچے جس کے سائے میں تم کھڑے ہو ایک گھڑا سونے چاندی سے

بھرا ہوا دفن ہے اسے کھود کے نکال لو اور اپنے کام میں لاؤ۔"

مالی نے وہاں کی زمین کھود دی۔ بلبل نے جو کچھ کہا تھا وہ پایا۔

مالی نے کہا: "اے بلبل! تعجب ہے کہ تم نے زمین کے اندر چھپے ہوئے گھڑے کو تو دیکھ لیا مگر اس جال کو نہ دیکھ سکیں جو میں نے تمہارے لیے زمین پر بچھایا تھا۔"

بلبل نے کہا ۔۔۔ "کیا تم نہیں جانتے کہ جب قہر الٰہی نازل ہوتا ہے تو انسان کی بصیرت چلی جاتی ہے اور نہ ہی کسی تدبیر سے کام چلتا ہے۔"

---

# 19

# لومڑی اور شکاری

ایک شکاری ایک جنگل سے گذر رہا تھا کہ اس نے ایک لومڑی کو دیکھا جو نہایت چست و چالاک تھی اور اس جنگل میں ٹہل رہی تھی۔ شکاری کو اس کے بال بہت پسند آئے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس لومڑی کی کھال بیچ کر پیسے وصول کیے جائیں۔ لالچ اس قدر بڑھی کہ اس لومڑی کا تعاقب کرکے اس کے غار کا پتہ لگایا پھر اس کے قریب ہی ایک گڑھا کھود کر اس پر گھاس پھوس بچھا دی اور اس پر ایک مردہ جانور رکھ کر خود کمین گاہ میں جا بیٹھا۔

اتفاقاً لومڑی غار سے باہر نکلی اور گوشت کی بو پا کر کشاں کشاں اس گڑھے کی طرف بڑھی۔ مگر کچھ دور چل کر سوچنے لگی۔

''حالانکہ اس گوشت کی خوشبو سے میرا دماغ مہک رہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک ان جانے خطرے کی بو بھی محسوس کر رہی ہوں اور عقل منداس کام کے قریب نہیں پھٹکتے جس میں کوئی خطرہ درپیش ہو اور ایسا کام ہرگز نہیں کرتے جس میں

کسی فتنہ کا اندیشہ ہو۔ ممکن ہے کہ یہاں کوئی مردہ جانور ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے نیچے کوئی دام بچھا یا گیا ہو۔ بہرحال اس خطرے سے گریز لازم ہے۔"

یہ سوچ کر لومڑی نے ارادہ ترک کر دیا اور اپنی راہ لی۔ اس دوران ایک بھوکا چیتا پہاڑ سے نیچے اترا۔ جب اس نے مردار کی بو سونگھی، بلا تامل اس پر دوڑ پڑا اور پاؤں رکھتے ہی اس گڑھے میں جا گرا۔ جب شکاری نے چیتے کے گرنے کی آواز سنی، سمجھا کہ لومڑی گری ہے۔ بہت ہی لالچ کے ساتھ بے دریغ اس گڑھے میں اترا۔ چیتے کی نظر جب اس پر پڑی تو اس نے سوچا کہ مردہ جانور کھانے سے بہتر زندہ شکار ہے۔ فوراً شکاری کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ اس طرح شکاری اپنی لالچ اور بے عقلی سے ہلاک ہوا اور لومڑی اپنی قناعت اور دور اندیشی سے بچ گئی۔

# 20

# نادان اونٹ

ایک چالاک کوّا، ایک خطرناک بھیڑیا اور ایک مکار سیار ایک شیر کی ملازمت میں تھے۔ ان کا جنگل شارع عام سے نزدیک تھا۔ ایک بار ایک سوداگر کا اونٹ اس جنگل کے اطراف چرتے چرتے آیا اور شیر کے نزدیک پہنچا۔ شیر کو دیکھتے ہی گھبرا گیا۔ اسے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ عاجزی اور انکساری سے کام لے۔ لہٰذا فوراً اسے سلام کیا۔ شیر نے بھی جواب دیا اور اس کی خیریت پوچھی۔ اونٹ نے جواب دیا۔ "حالانکہ آپ سے پہلے اپنے کام میں مجھے اختیار تھا لیکن جب سے آپ کو دیکھ لیا عنانِ اختیار ہاتھ سے جاتی رہی اب آپ جو فرمائیں گے وہی کروں گا۔"

شیر نے کہا۔ "اگر پسند ہو تو میری امان میں رہو۔"

اونٹ بہت خوش ہوا اور اسی جنگل میں رہنے لگا۔ ایک عرصہ اسی طرح گزر گیا اور اونٹ کافی موٹا ہو گیا۔ ایک روز شیر شکار کی تلاش میں نکلا اور ایک مست ہاتھی سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ دونوں کے درمیان زبردست مقابلہ ہوا

شیر زخمی ہو کر واپس لوٹ آیا اور کراہتا ہوا زخموں سے چور چور ایک کونے میں گر گیا۔ بھیڑیا سیار اور کوّا جو اس کے طفیل میں لقمے توڑتے تھے۔ بے یار و مددگار ہو گئے۔ شیر چونکہ شاہانہ مزاج رکھتا تھا اس لیے اپنے ملازموں کی یہ حالات دیکھ کر اسے بہت افسوس ہوا اس نے کہا۔ "تمہاری تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اگر کوئی شکار قریب ہو تو مجھے اطلاع دو کہ میں اسی حالت میں جا کر اس کا شکار کروں تاکہ تم اپنا پیٹ بھر سکو۔" انھوں نے وہاں سے اٹھ کر ایک دوسرے سے صلاح و مشورہ کیا اور طے کیا کہ اس اونٹ سے نہ بادشاہ کو کوئی فائدہ ہے نہ ہمیں اس سے کوئی محبت ہے۔ اس لیے بادشاہ کو اس بات پر راضی کرنا چاہیے کہ وہ اونٹ کا شکار کرے تاکہ دو چار روز کے لیے ہمیں اور اسے کھانے کا آرام ہو جائے۔

بھیڑیے نے کہا۔ " ایسا خیال بھی دل میں نہ لاؤ کیونکہ شیر نے اونٹ کو امان دی ہے۔ جو کوئی بادشاہ کو غدر پر اکسائے گا اور بد عہدی کی تحریک دلائے گا، وہ خیانت کرے گا اور خیانت ہر حال میں قابلِ نفرین ہے اور خیانت کرنے والے سے خدا اور رسول ناراض اور خلق ناخوش رہتی ہے۔"

کوّے نے کہا۔ " اس معاملے میں کوئی بہانہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ شیر کو اس کے وعدے سے آزاد کیا جائے۔ تم لوگ یہاں نگاہ رکھو۔ میں جاتا ہوں اور ابھی لوٹ کے آتا ہوں۔"

کوّا پھر شیر کے پاس جا کے کھڑا ہو گیا۔ شیر نے پوچھا۔ "کیا کوئی شکار نظر آیا؟ اور دیر

لیے کوئی خبر لائے ہو؟

کوّے نے کہا۔ "جہاں پناہ بھوک کے مارے نظر کچھ کام نہیں کر رہی ہے اور ہلنے جلنے کی قوت بھی نہیں رہی۔ لیکن ایک صورت ایسی نظر آتی ہے کہ اگر بادشاہ اس کی اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم سب نعمتوں سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔"

شیر نے کہا۔ "اپنے دل کی بات کہہ ڈالو تاکہ مجھے اس کی خبر ہو۔"

کوّے نے کہا۔ "یہ اونٹ ہم لوگوں کے درمیان اجنبی ہے اور ہمیں اس سے کوئی فائدہ بھی دکھائی نہیں دیتا اور فی الحال کوئی شکار بھی نظر نہیں آتا۔"

شیر یہ سُن کر غضبناک ہوا اور بولا۔

"آج کل کے دوستوں پر لعنت ہے جو سوائے دشمنی اور بغض کے کچھ نہیں رکھتے دوستی، محبت، مروّت اور انسانیت کو ایک دم بھلا بیٹھے ہیں۔ عہد شکنی کون سے مذہب میں جائز ہے؟ اور دی ہوئی زبان سے مکرنا کہاں تک بجا ہے"؟

کوّے نے کہا۔ "میں یہ بات جانتا ہوں لیکن عقل مندوں نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے گھر والوں پر فدا کرنا چاہیے اور اپنے گھر والوں کو اپنے قبیلے پر اور قبیلے کو شہر والوں پر اور شہر والوں کو بادشاہ شہر پر۔ جو خطرے میں ہو فدا کرنا واجب ہے کیونکہ بادشاہ کی سلامتی میں ہی ہماری سلامتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس طرح وعدہ دینے والا، وعدہ شکنی سے پاک رہے گا اور اس کی جان محفوظ رہے گی۔"

شیر نے یہ سن کر گردن جھکالی۔ کوّا پھر دوستوں کے پاس آیا اور کہا،

"پہلے جب میں نے اونٹ کو مارنے کی بات کی تو شیر غصّہ ہوا اس کے بعد نیم رضا مند ہو گیا۔ اب یہ تدبیر ہے کہ ہم سب اونٹ کے پاس چلیں اور شیر کی تکلیف کا حال بیان کریں اور کہیں کہ ہم اس کی پناہ میں ہنسی خوشی بسر کر رہے تھے کہ آج یہ حادثہ پیش آیا۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنی جان اس پر فدا کریں ورنہ بے وفا کہلائیں گے۔ بہتری اسی میں ہے کہ ہم سب شیر کے پاس جائیں اور اس کے انعام و اکرام کا شکریہ ادا کریں اور پھر کہیں کہ ہم سے کوئی خدمت آپ کی نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ ہم اپنی جانیں آپ پر فدا کریں۔ لہٰذا ہم میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ آج جہاں پناہ ہمارا ناشتہ فرمائیں اور دوسرا اس کا بچاؤ کرے یہاں تک کہ اونٹ کی باری آئے۔ ممکن ہے کہ اس طرح اونٹ مارا جائے۔"

مل جل کر یہ سب اونٹ کے پاس گئے اور ساری تفصیل اسے سنائی۔ چونکہ وہ سادہ دل تھا لہٰذا ان کی باتوں میں آ گیا اور طے شدہ تدبیر کے مطابق وہ سب اونٹ کے ساتھ شیر کے پاس پہنچے اور آداب بجا لائے۔ پھر کوّے نے کہا۔

"ہماری خوشی آپ کی سلامتی میں ہے اور چونکہ جہاں پناہ بے حد کمزور ہو گئے ہیں لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ میرے گوشت سے لذّت حاصل کریں۔ مہربانی فرما کر مجھے شکار کریں تاکہ میری زندگی آپ کے کام آئے۔"

دوسروں نے فوراً کہا

"تمہیں کھانے سے کیا فائدہ ہو گا۔ تمہارے گوشت سے تو بادشاہ کا پیٹ بھی نہ بھرے گا۔ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے؟ یہ سن کر کوّے نے گردن جھکا لی اور بھیڑیے نے

کہنا شروع کیا۔

"ایک عرصے سے آپ کے سائے میں ہوں آج چاہتا ہوں کہ بادشاہ میرے گوشت سے ناشتہ فرمائیں۔"

دوسروں نے فوراً جواب دیا۔

"تم جو کچھ بھی کہہ رہے ہو محض محبت اور احسان مندی میں کہہ رہے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ تمہارا گوشت بدبودار ہے لہٰذا بادشاہ اسے کھا کے بے مزہ ہوں گے۔"

یہ سن کر بھیڑیا خاموش ہو گیا اور سیار سامنے آکر کہنے لگا۔

"میں بھی بادشاہ پر فدا ہونے کا خواہش مند ہوں اور چاہتا ہوں کہ بادشاہ ہنسی خوشی مجھے اپنے دانتوں میں جگہ عطا فرمائیں۔"

دوسروں نے کہا۔ "یہ بات تم نے انتہائی خلوص سے کہی ہے لیکن تمہارا گوشت کھانے سے گلے میں سوجن آجاتی ہے اور نقصان کا اندیشہ ہے۔"

سیار یہ سن کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب اونٹ نے اپنی لمبی گردن اٹھا کر مہار کھینچ کر احمقوں کی طرح بولنا شروع کیا۔

جہاں پناہ! میں آپ ہی کا پروردہ ہوں۔ اگر آپ کو اپنے دسترخوان کے قابل نظر آؤں تو اپنی جان دینے سے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

دوسروں نے کہا۔ " یہ بات تم نے انتہائی عقیدت اور محبت سے کہی ہے اور یہ سچ ہے کہ تمہارا گوشت بادشاہ کے مزاج کے موافق ہے۔ تمہاری

ہمت کی داد دینی چاہیے کہ بادشاہ کے لیے تم نے اپنی جان کی بھی پروا نہ کی اور اس معاملے میں اپنا نام امر کر دیا۔"

اس طرح سب نے مل کر اونٹ کو مار دیا اور وہ غریب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

# 21

# کچھوا اور بگلے

ایک تالاب کا پانی آئینے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ لطافت اور مٹھاس میں آبِ حیات سے کم نہ تھا۔ دو بگلے اور ایک کچھوا اس میں رہتے تھے۔ تینوں میں بےحد دوستی تھی۔ ایک دوسرے کے بغیر زندگی نہ گزارتے تھے۔ اچانک ان کی دوستی کو زمانے کی نظر لگ گئی۔ یعنی تالاب روز بروز خشک ہونے لگا۔ جس کی وجہ سے بگلوں کا ذریعۂ معاش ختم ہونا شروع ہوا۔ کیونکہ وہ اسی تالاب کے پانی سے اپنی غذا حاصل کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پانی کے بغیر زندگی محال ہے تو مجبورًا اس تالاب کو چھوڑ کر کسی نئے ٹھکانے کی تلاش میں نکل پڑے۔ جانے سے پہلے نہایت غمگین اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کچھوے کے پاس آئے اور اس سے رخصت لی۔ کچھوا بھی ان کی جدائی کے خیال سے رونے لگا۔ اور فریاد کی کہ "تم یہ کیسی خبر مجھے سنا رہے ہو۔ میں تمہارے بغیر کیسے جی سکوں گا؟ تمہاری جدائی مجھے برداشت نہ ہوگی اور میں موت کے منہ میں پہنچ جاؤں گا۔

بگلوں نے کہا۔" ہمارا دل بھی تمہاری جدائی کے خیال سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے لیکن مجبوری یہ ہے کہ بغیر پانی کے ہماری زندگی بیکار ہے۔ پانی کے بغیر ہم مرجائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے دوست کو چھوڑ کر پردیش جانے کا ارادہ کیا ہے۔"

کچھوے نے کہا۔" دوستو! تم جانتے ہو کہ پانی مجھے تم سے زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور میری گذر بسر بھی بغیر پانی کے ناممکن ہے۔ اس وقت قدیم دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ اس ویرانے میں تنہا نہ چھوڑو۔"

انہوں نے کہا۔ پیارے دوست! تمہاری جدائی ہمیں تم سے زیادہ ناقابل برداشت ہو رہی ہے۔ ہم جہاں بھی رہیں گے تمہارے بغیر خوش نہ رہ سکیں گے اور ہمیشہ تمہیں یاد کرتے رہیں گے۔ مگر ہم کیا کریں۔ زمین پر ہمارا دور تک پیدل چلنا اور تمہارا ہمارے ساتھ ہوا میں اڑنا دونوں ناممکن ہے۔ پھر ہمارا ساتھ کیونکر ہو سکتا ہے؟"

کچھوے نے کہا" اگر اس کی کوئی تدبیر تمہارے ذہن میں ہو تو بتاؤ۔ میرے ذہن میں تو کوئی بات نہیں آئی۔"

انہوں نے کہا۔" ہم اس کی بھی تدبیر کر سکتے ہیں لیکن مجبور ہیں کہ جو کچھ کہیں گے وہ تم سے نہ ہو سکے گا اور تم جو وعدہ کرو گے اس پر قائم نہ رہ سکو گے۔"

کچھوے نے کہا۔" یہ کیسے ممکن ہے کہ تم میرے لیے کوئی تدبیر سوچو اور میں اس پر عمل نہ کروں گا اور وہ وعدہ جو میری بھلائی کے لیے کیا جائے۔ میں اس پر قائم نہ رہوں۔

بگلوں نے کہا" شرط یہ ہے کہ جب ہم تمہیں ہوا میں اٹھا کر اڑیں تو تم ہرگز بات

نہ کروگے۔ حالانکہ ہر شخص جس کی نظر ہم پر پڑے گی، ہمارے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔ تم کیسی ہی بات کیوں نہ سنو اور کیسی ہی حرکت کیوں نہ دیکھو اپنا منہ بند رکھنا اور اچھی بری کوئی بات زبان سے نہ نکالنا۔

کچھوے نے کہا تمہارا حکم بجا لاؤں گا اور کسی اعتراض کا جواب نہ دوں گا بلکہ خاموش رہوں گا۔"

بگلے ایک پتلی اور لمبی سی لکڑی لائے۔ کچھوے نے درمیان میں مضبوطی سے اسے اپنے دانتوں میں پکڑ لیا اور بگلوں نے دونوں جانب سے اس لکڑی کو اپنی چونچ میں لیا۔ جب وہ بلندی پر ہوا میں اڑے ان کا گذر ایک راستے کے اوپر سے ہوا۔

گاؤں کے لوگ اس منظر کو تعجب سے دیکھنے لگے اور باہر نکل کر دائیں بائیں چیخنے لگے کہ دیکھو بگلے کچھوے کو کیسے لے جا رہے ہیں۔ سب ہنس ہنس کر فقرے چست کرنے لگے۔ کچھوا یہ سب دیکھ کر کچھ دیر تک تو خاموش رہا۔ آخر اس سے صبر نہ ہوا۔ جھلا کر بولا "جن سے دیکھا نہیں جاتا اندھے ہو جائیں"۔ جیسے ہی اس نے منہ کھولا، اوپر سے نیچے کی طرف آرہا۔ بگلوں نے آواز دی۔

"دوستوں کا کام نصیحت کرنا ہے اور نیک بختوں کا کام نصیحت سننا۔"

---

# 22

# نادانوں کو نصیحت

کچھ بندروں کی ایک ٹولی کسی پہاڑ پر رہتی تھی اور وہاں کے پھل پھول اور گھاس پھوس پر گزارا کرتی تھی۔ اچانک ایک اندھیری رات میں برف باری ہونے لگی اور سردی کی شدت سے انھیں اپنا خون رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔ وہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگے اچانک انہوں نے راستے میں ایک جگنو پڑا ہوا پایا اور اس خیال سے کہ یہ چنگاری ہے اس کے ارد گرد لکڑیاں جمع کرنے لگے اور پھونک مارنے لگے۔

ان کے قریب ہی ایک درخت پر ایک پرندہ بیٹھا ہوا تھا اس نے آواز لگائی۔

"یہ آگ نہیں ہے اس کی طرف راغب مت ہونا۔"

لیکن اس لاحاصل کام سے وہ باز نہ آئے۔ اتفاقاً اس جگہ ایک دوسرا پرندہ آگیا اور پہلے پرندے سے کہنے لگا۔

"غم مت کرو۔ تمہاری بات سن کر وہ باز نہ رہیں۔ بلکہ الٹا تمہیں ہی غم ہو گا۔ ایسے لوگوں کی بھلائی کی کوشش کرنا پتھر پر تلوار چلانے اور زہر سے تریاق نکالنے

کے برابر ہے۔"

پرندے نے جب دیکھا کہ اس کی بات کو کوئی سنتا ہی نہیں تو مہربانی کے خیال سے درخت سے نیچے اتر آیا تاکہ ایک بار پھر انہیں نصیحت کرسکے۔ اور ان کو اس بے فائدہ کوشش اور محنت سے روک سکے۔ بندر اس کے اطراف جمع ہو گئے اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

---

# 23

# تیز ہوش اور خرّم دل

دو دوست تھے ۔ ایک بہت عقل مند اور چالاک اور دوسرا بے حد غافل ۔ایک نہایت چالاکی سے لوگوں کو دھوکا دیتا تھا اس کا لقب تیز ہوش تھا اور دوسرا اپنی بے وقوفی کی وجہ سے نفع اور نقصان میں تمیز نہیں کر سکتا تھا اس کو خرّم دل کہتے تھے ۔ان دونوں نے تجارت کا ارادہ کیا اور ایک دوسرے کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے ۔ وہ مختلف مرحلے طے کرتے جاتے تھے کہ اتفاق سے روپیوں سے بھرا ہوا ایک تھیلا انہیں پڑا ہوا ملا ۔اسے پاکر وہ دونوں بہت خوش ہوئے اور ٹھہر کر سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے ۔عقل مند دوست یعنی تیز ہوش نے کہا۔

"بھائی ! اس دنیا میں بغیر محنت کے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے ہمیں اشرفیوں کے اس تھیلے پر قناعت کرنی چاہیے اور کسی گوشے میں فراغت سے بسر اوقات کرنا بہتر ہے۔"

یہ سوچ کر دونوں واپس لوٹے ۔ شہر کے نزدیک پہنچ کر ایک جگہ رکے ۔خرّم دل نے کہا۔

"بھائی اب ہمیں اسے تقسیم کر لینا چاہیے۔"

تیز ہوش نے کہا ابھی تقسیم کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہم حسبِ ضرورت کچھ رقم خرچ کے لیے نکال لیں گے اور باقی کسی جگہ دفن کر دیں گے اور وقت ضرورت اسی طرح اس میں سے تھوڑا تھوڑا لے جایا کریں گے تاکہ مصیبت سے بچیں اور خیریت سے رہیں۔

نادان دوست نے چالاک دوست کی اس بات سے اتفاق کیا اور اس کے دھوکے میں آ کر مشورہ قبول کرتے ہوئے اشرفیوں کے تھیلے کو ایک درخت کے نیچے دفن کر دیا۔ پھر شہر میں آ کر دونوں اپنے اپنے گھر کی طرف چل دیے۔

دوسری رات تیز ہوش جو چالاک تھا درخت کے نیچے آیا اور زمین کھود کر اشرفیوں کی تھیلی نکال لے گیا۔ خرم دل اپنی غفلت کی وجہ سے اس بات سے بے خبر اس رقم کو خرچ کرتا رہا جو اس کے پاس تھی۔ یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی۔ وہ تیز ہوش کے پاس آیا اور کہا۔

"چلو اس دفینے میں سے تھوڑی سی اشرفیاں اور نکال لیں کیونکہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

تیز ہوش نے انجان بنتے ہوئے کہا۔ "چلو اچھا ہے۔"

دونوں ساتھ ساتھ اس درخت کے نیچے آئے اور جلدی جلدی دفینہ تلاش کرنے لگے۔ لیکن کچھ نہ ملا۔ تیز ہوش نے خرم دل کا گریبان پکڑ لیا اور کہا

"یہ مال تم ہی لے گئے ہو اور کسی کو خبر نہ تھی۔"

خرم دل بے چارہ قسمیں کھاتا رہا مگر تیز ہوش پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر کار
اس تو تو میں میں نے اچھے خاصے جھگڑے کی شکل اختیار کر لی۔ تیز ہوش چالاکی سے
خرم دل کو اس کے تصفیہ کے لیے قاضی کے پاس لایا اور دعویٰ کیا۔ تمام واقعہ قاضی کو
سنایا۔ خرم دل کے انکار کرنے پر قاضی نے تیز ہوش سے گواہ طلب کیا۔ تیز ہوش نے کہا۔
اے قاضی! اس درخت کے سوا کہ جس کے نیچے ہم نے یہ مال چھپایا تھا، میرا اور
کوئی گواہ نہیں ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اپنی قدرت سے اس درخت کو زبان
دے گا تاکہ وہ میری گواہی دے سکے اور اس بے ایمان کی بددیانتی سے لوگ آگاہ ہو جائیں"
قاضی کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا مگر بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ کل قاضی اس
درخت کے نیچے آئے گا اور درخت سے گواہی طلب کرے گا اگر درخت نے گواہی دی
تو اس پر عمل کرے گا۔

تیز ہوش اپنے گھر گیا اور تمام قصہ اپنے باپ کو سنایا اور کہا۔ "اباجان! میں نے
آپ کے بھروسے پر یہ بہانہ بنایا ہے اور مکر کا جال بچھایا ہے۔ یہ سارا پلان آپ کی
شفقت پر منحصر ہے۔ اگر آپ مجھ پر مہربان ہو جائیں تو یہ مال ہضم ہو سکتا ہے اور
اس کا آدھا اور حاصل ہو سکتا ہے پھر باقی ساری عمر عیش سے بسر کریں گے۔"

باپ نے کہا، "بیٹا وہ کونسی بات ہے جس کا تعلق مجھ سے ہے؟"

بیٹے نے کہا، "اس درخت میں ایک کھوہ ہے۔ رات میں چل کر اس میں بیٹھ جائیے
دن میں جب قاضی آکر پوچھے گا تو میری گواہی دے دینا۔"

باپ نے کہا۔ "بیٹا! دھوکے بازی سے باز آؤ۔ اگر آج تم نے لوگوں کو دھوکا دے بھی دیا تو کل کیا خدا کو دھوکا دے پاؤ گے؟ اکثر ایسا بھی دیکھا ہے کہ مکار اپنے بچھائے ہوئے جال میں خود ہی پھنس جاتا ہے اور اس کی چالاکی خود اس کی سزا کا سبب بن جاتی ہے۔ ڈرتا ہوں کہ تمہاری اس مکاری کا انجام گرفتاری اور ذلّت نہ ہو۔"

تیز ہوش نے کہا۔ "ابا جان! اب بات مختصر کیجیے اور دور اندیشی سے باز آجایئے۔ یہ کام آپ کی ذرا سی مدد سے فائدہ بخش ہو سکتا ہے۔"

بیٹے کی محبت اور مال کی ہوس نے بوڑھے کو بھی بددیانتی پر آمادہ کر لیا۔ ایمانداری کو بالائے طاق رکھ کر وہ بھی بے ایمانی کی راہ پر گامزن ہوا۔ اسی رات کے اندھیرے میں بیٹے کے کہنے کے مطابق وہ درخت کی کھوہ میں جا بیٹھا۔

صبح قاضی چند لوگوں کے ساتھ درخت کے نیچے آیا۔ ایک ہجوم اس منظر کو دیکھنے کے لیے جمع تھا۔ قاضی نے مدّعی کے کہنے کے مطابق درخت سے گواہی طلب کی۔ درخت میں سے آواز آئی۔ "اس مال کو خرّم دل لے گیا ہے اور تیز ہوش پر ظلم کیا ہے۔" یہ سن کر سب حیران رہ گئے۔ مگر قاضی نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے سمجھ لیا کہ اس درخت میں کوئی راز ہے جس کا آشکارا ہونا بے حد ضروری ہے اور اس کے لیے کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ پس اس نے حکم دیا کہ بہت سی سوکھی لکڑیاں جمع کر کے اس درخت کے اطراف آگ لگا دی جائے۔ جب ان لکڑیوں کا دھواں درخت کی کھوہ میں پہنچا تو بوڑھے کا دم گھٹنے لگا اور وہ گھبرا کر چلانے لگا اور جان کی امان کی دہائی دینے لگا۔ قاضی نے

اسے باہر نکالا اور اس سے حقیقتِ حال دریافت کی۔ اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس طرح تیز ہوش کی بے ایمانی اور خرم دل کی نادانی سب پر ظاہر ہو گئی ۔ یہ ماجرا سنا کر بوڑھا اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تیز ہوش ذلت وخواری کے ساتھ اپنے باپ کی لاش گردن میں لٹکائے شہر میں آیا۔ خرم دل اپنی سچائی اور ایمانداری کی وجہ سے مال حاصل کر کے خوش خوش زندگی گزارنے لگا۔

---

# 24

# بے چارہ مینڈک

ایک مینڈک کسی سانپ کے بِل کے قریب رہتا تھا۔ اس ظالم اور خونخوار سانپ نے مینڈک کے تمام بچے چن چن کر کھالیے۔ جب مینڈک بچے نکالتا سانپ انہیں کھا جاتا اور مینڈک بے چارہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتا۔ اس مینڈک کی ایک کیکڑے سے دوستی تھی۔ مینڈک ایک دن اس کے پاس گیا اور کہنے لگا۔

"مجھے کوئی ایسی ترکیب بتاؤ کہ میں اپنے طاقت ور دشمن کا مقابلہ کرسکوں کیونکہ میں جس جگہ رہتا ہوں وہ بڑی دلکش ہے۔ میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا"

کیکڑے نے کہا۔" افسوس نہ کرو۔ طاقتور دشمن کو حیلے اور مکر سے شکست دی جا سکتی ہے"

مینڈک نے کہا اس بدکار دشمن کے لیے تم نے کونسا حیلہ ڈھونڈا ہے؟

کیکڑے نے کہا۔ یہاں سے کچھ دور مغرب کی سمت ایک نیولا رہتا ہے جو بڑا لڑاکو ہے۔ تم چند مچھلیاں پکڑ لو اور انہیں مار کر نیولے کے بل سے سانپ کے بل تک

پھیلا دو تاکہ نیولا ایک ایک کر کے انہیں کھائے اور مزید مچھلیوں کی تلاش میں آگے بڑھے۔ اس طرح سانپ کے بل تک پہنچے اور اس کا کام تمام کر دے اور تمہیں اس کے شر سے نجات ملے۔

مینڈک نے کیکڑے کی اس تدبیر پر عمل کر کے اپنے دشمن کو ہلاک کر دیا۔ اس واقعے کے دو تین روز بعد جب نیولے کو پھر ان مچھلیوں کی طلب ہوئی، وہ اسی طرح پھر نکل پڑا اور اسی عادت کے مطابق دوبارہ مچھلیوں کی تلاش میں اسی راستے پر آیا لیکن مچھلی نہیں ملی البتہ مینڈک اور اس کے بچے نظر آئے۔ لہٰذا اس نے انہیں بھی کھا لیا۔

---

25

# نادان کی دوستی جی کا جنجال

ایک مالی تھا جس نے اپنی ساری عمر باغ لگانے میں صرف کی تھی۔ اس کا باغ جنت کے کسی باغ سے کم نہ تھا۔ وہاں طرح طرح کے پھل پھول موجود تھے جن کی خوشبوؤں سے دماغ معطر رہتا تھا۔ بوڑھا مالی بڑے آرام سے اس باغ میں تنہا زندگی بسر کر رہا تھا۔ آخر ایک دن وہ اپنی اس تنہائی سے گھبرا گیا اور بے حد اداس ہوا۔ گھبرا کر ایک جنگل کی طرف چل پڑا۔ ایک مدت تک جنگلوں میں بھٹکتا رہا۔ اچانک ایک بدصورت، ڈراؤنا ریچھ جو اسی کی طرح تنہائی سے بے زار ہو چکا تھا اور اکیلا رہتا تھا اس پہاڑ سے نیچے اترا۔ دونوں ایک دوسرے سے دوچار ہوئے اور چونکہ دونوں کی فطرت میں خباثت موجود تھی لہٰذا دونوں ایک دوسرے سے بہت جلد مانوس ہو گئے۔

مالی ریچھ کو ساتھ لے کر اپنے باغ میں آیا۔ دونوں خوشی خوشی ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ جب مالی آرام کرتا تھا۔ ریچھ اس کے سرہانے بیٹھ کر مکھیاں اڑاتا تھا۔

ایک دن مالی گہری نیند سو رہا تھا اور ریچھ حسب معمول مکھیاں اڑا رہا تھا لیکن مکھیوں نے اتنا ہجوم کر لیا تھا کہ ریچھ جتنی مکھیاں اڑاتا تھا اتنی ہی پھر جمع ہو جاتی تھیں ریچھ نے پریشان ہو کر ایک وزنی پتھر جو تقریباً بیس سیر سے کم کا نہ ہوگا۔ اٹھا کر مکھیوں پر دے مارا اور اس طرح مالی کا سر پاش پاش ہو گیا۔

---

# 26

# جیسے کو تیسا

ایک سوداگر کچھ دنوں کے لیے ایک سفر پر جانے لگا تو اس نے سو من لوہا اپنے ایک دوست کے گھر امانت کے طور پر رکھوا دیا تاکہ ضرورت پڑے تو اسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکے۔ جب وہ سفر سے لوٹا تو اپنے دوست کے پاس آیا اور اس سے لوہا طلب کیا۔ دوست نے کہا۔ "تمہارا لوہا میں نے ایک کوٹھری میں بند کر کے رکھ دیا تھا مگر ایک دن کھول کے دیکھا تو چوہوں نے سب کھا لیا تھا۔"

سوداگر نے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔ دراصل چوہوں کو لوہا بہت پسند ہے۔ وہ اس کی لذت پر جان دیتے ہیں۔ ضرور کھا لیا ہوگا کیونکہ ان کے دانت اس قسم کی ملائم اور چکنی چیز پر خوب چلتے ہیں۔"

یہ بات سن کر اس کا دوست بہت خوش ہوا کہ چلو اتنا سارا لوہا بغیر کسی جھگڑے کے ہضم ہو گیا۔ اسے سوداگر کی بے وقوفی پر بڑی ہنسی آئی۔ سوچا کہ اس خوشی میں اس کی مہمان داری ضرور کرنی چاہیے تاکہ دل میں کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ اس نے سوداگر سے

اصرار کیا کہ وہ آج کے دن اس کا مہمان رہے۔ سوداگر نے کہا۔

"آج مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ کل صبح حاضر ہوں گا۔

یہ کہہ کر رخصت ہوا اور باہر آکر اس کے لڑکے کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر میں چھپا دیا۔

صبح صبح حسب وعدہ اس کے گھر دعوت کھانے پہنچا۔ میزبان کو پریشان حال پایا۔ وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"میرا لڑکا کل سے گم ہو گیا ہے اور تمام شہر میں منادی کرادی ہے۔ لیکن اب تک اس کا سراغ نہیں مل سکا اس لیے میرے حواس بجا نہیں ہیں۔ میں بے حد پریشان ہوں۔ معاف کرنا میں تمہاری دعوت نہیں کر سکتا۔"

سوداگر نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ لیکن ہاں — یاد آیا۔ کل جب میں تمہارے گھر سے باہر نکلا تھا تو میں نے بالکل ویسا ہی لڑکا جیسا حلیہ تم نے بیان کیا ہے، دیکھا تھا۔ لیکن اسے ایک باز اپنے پنجوں میں دبوچے ہوا میں اڑائے لیے جا رہا تھا۔"

میزبان خفا ہوا اور بولا۔ "کیوں خواہ مخواہ جھوٹ بولتے ہو — اور ایسی ناممکن بات کہتے ہو۔ کیا ایک کمزور باز ایک بیس سیر کے موٹے تازے لڑکے اٹھا کر ہوا میں اٹھا کر اڑ سکتا ہے۔"؟

سوداگر ہنسا اور بولا — "اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جس شہر میں چوہے سو من لوہا کھا سکتے ہیں، کیا وہاں ایک باز بیس سیر کے لڑکے کو اٹھا کر نہیں اڑ سکتا؟ اس شہر کی آب و ہوا میں یہی تاثیر ہے۔"

وہ شخص سمجھ گیا کہ یہ کام سوداگر کا ہے۔ فوراً بولا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہارا لوہا چوہوں نے نہیں کھایا۔"

سوداگر نے جواب دیا۔ "تم بھی پریشان مت ہو۔ تمہارے بیٹے کو باز نہیں لے گیا۔"

آخر اس نے اس کا لوہا واپس کر دیا اور سوداگر نے اس کا لڑکا۔

---

# 27

# لالچ بری بلا ہے

ایک لومڑی بھوک سے بے قرار ہو کر غذا کی تلاش میں اِدھر اُدھر ماری ماری
پھر رہی تھی کہ اچانک گوشت کی بو اُس کی ناک میں پہنچی۔ وہ فوراً اس طرف لپکی دیکھا
کہ وہاں ایک چمڑے کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے۔ وہ اسے چبانے لگی۔ قریب ہی کے گاؤں سے
کچھ مرغیاں چگتی ہوئی وہاں چلی آئیں۔ ان کی دیکھ بھال ایک لڑکا جس کا نام زیرک
تھا کر رہا تھا۔ لومڑی کے منہ میں ان مرغیوں کو دیکھ کر پانی بھر آیا اور چمڑے کا خیال جاتا
رہا۔ اس دوران وہاں سے ایک بھیڑیئے کا گزر ہوا۔ اس نے لومڑی سے دریافت کیا۔
"کیا بات ہے جو تم اتنی فکر مند نظر آ رہی ہو؟"

لومڑی نے کہا۔ "کیا تمہیں یہ مرغیاں نظر نہیں آ رہی ہیں جو سامنے آ آ کر کہہ رہی
ہیں کہ تمہیں ہمارا گوشت پسند ہے تو کھاؤ۔ میں بہت دیر سے بھوک میں مبتلا ہوں اور
خدا نے جو سب کا رزّاق ہے۔ مجھے یہ چمڑے کا ٹکڑا بھیجا ہے۔ لیکن اب بھوک کا تقاضا
یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی ایک مرغی کو پنجوں میں دابوں اور اس کے گوشت کے

مزے لوٹوں۔

بھیڑیے نے کہا۔" افسوس! میں ایک مدت سے اس کمین گاہ میں ہوں اور کوشش میں ہوں کہ ان میں سے کسی مرغی کا شکار کروں مگر وہ لڑکا زیرک جوان کی نگہبانی کرتا ہے، اس طرح ان کا خیال رکھتا ہے کہ کوئی ان کو اپنے دام میں پھنسا نہیں سکتا میں کئی دنوں سے اسی فکر میں ہوں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تم کو جو یہ چمڑے کا ٹکڑا ملا ہے اسی کو غنیمت سمجھو اور اس بے وقوفانہ خواہش سے باز آؤ۔"

لومڑی نے کہا۔" بھائی جب تک دل کی مراد حاصل ہونے کی امید ہو، تب تک مکاری اور چالاکی سے کام لینا برا نہیں اور جب تک آسائش کے باغ میں خوشیوں کے پھولوں کا نظارہ ممکن ہے، ذلت کے جنگل میں قدم رکھنا عیب ہے۔ میری ہمت اس بات پر راضی نہیں کہ میں چمڑے سے بھوک مٹاؤں اور تازہ گوشت کی طرف سے منہ موڑلوں۔"

بھیڑیے نے کہا۔" اے لالچی! اپنی لالچ کا نام تم نے ہمت رکھا ہے اور اس غلط کام کو تم بڑا کارنامہ سمجھ رہی ہو۔ اس بات کو مت بھولو کہ عظمت فقیری میں پوشیدہ ہے اور خوشیاں قناعت میں۔ اس سے بہتر کوئی عمل نہیں کہ رزّاقِ عالم نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اسی پر قناعت کرو اور خوش رہو۔ کیونکہ جو بھی فضول خواہش کرتا ہے تباہ و برباد ہوتا ہے۔ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ تمہاری اس فضول خواہش کے پیچھے ہاتھ میں آئی ہوئی چیز بھی نہ چلی جائے۔"

لومڑی نے لالچ میں ڈوب کر بھیڑیے کی بات پر برا سامنہ بنایا اور کہا۔

"تم دیکھتے رہو میں کس طرح بہانے سے ایک مرغی شکار کرتی ہوں۔" فوراً چمڑے کو

وہیں چھوڑ کر مرغیوں کا رُخ کیا۔ جب بھیڑیئے نے دیکھا کہ اس کی نصیحت لومڑی کے دل پر
ذرا بھی کارگر نہ ہوئی۔ برا سا منہ بنا کر وہاں سے چل پڑا۔ ادھر اس چمڑے کے ٹکڑے کو
ایک چیل اپنے پنجوں میں لے کر اڑ گئی اور ابھی لومڑی مرغیوں تک پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ
زیرک اپنی کمین گاہ سے نکل کر باہر آیا اور اس کو ایک لاٹھی ماری جس سے لومڑی کے
زبردست چوٹ آئی اور جلدی سے بھاگ کر گرتی پڑتی چمڑے کی طرف لپکی۔ لیکن جب اس
جگہ پہنچی تو چمڑے کا ٹکڑا غائب تھا۔ غم و غصہ سے آسمان کی جانب منہ کیا تو اس کی نظر
چیل پر پڑی جو چمڑے کا ٹکڑا پنجوں میں دبائے اڑ رہی تھی۔ صدمے سے اس نے اپنا سر
زمین پر دے مارا۔ یہاں تک کہ اس کا بھیجا باہر آ گیا۔

28

# نابینا اور تازیانہ

ایک اندھا اور بینا دونوں ایک جنگل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب رات ہوگئی اور انھوں نے وہاں سے روانہ ہونا چاہا تو اندھے نے اپنا تازیانہ تلاش کیا۔ اتفاق سے ایک سانپ سردی سے ٹھٹھرا ہوا وہاں پڑا تھا۔ نابینا نے اُسے تازیانہ سمجھا اور اُسے اُٹھالیا۔ جب ہاتھ پھیرا تو پہلے کے مقابلے میں کافی نرم اور ملائم محسوس ہوا۔ خوشی خوشی اُسے اُٹھا لیا اور اپنے کھوئے ہوئے تازیانے کو بھول کر روانہ ہوا۔ لیکن صبح نمودار ہوئی۔ اُجالا ہوا تو آنکھوں والے شخص نے دیکھا کہ اُس کے اندھے دوست کے ہاتھوں میں ایک سانپ ہے۔ وہ چلّایا۔

"دوست! تم جسے تازیانہ سمجھ رہے ہو، وہ زہریلا سانپ ہے۔ اس سے قبل کہ وہ تمہیں ڈس لے، اُسے ہاتھ سے پھینک دو۔" نابینا نے سوچا

کہ اس کا دوست اس تازیانے کا لالچ کر رہا ہے۔ کہا۔ "اے میرے عزیز! میں نے اپنا تازیانہ کھو دیا تھا۔ خدا نے مجھے اس سے بہتر تازیانہ عطا کیا ہے۔ اگر تمہاری قسمت بھی تمہارا ساتھ دے تو تمہیں بھی ایسا اچھا تازیانہ ملے گا۔ اب جان لو کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو جھوٹے قصے کہانیوں پر یقین کر کے اس تازیانے کو پھینک دوں"۔ بینا شخص مسکرایا اور کہا۔

"اے میرے بھائی! دوستی کا فرض یہ تھا کہ میں تمہیں اس خطرے سے آگاہ کروں، سو میں نے کر دیا۔ میری بات مانو اور اس سانپ کو اپنے ہاتھوں سے پھینک دو۔"

نابینا نے بُرا سا منہ بنایا اور کہا:

"مبالغے کی بھی حد ہوتی ہے۔ یہ بات سمجھ لو کہ جو تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ تم میرے تازیانے کو ہتھیانے کا ارادہ رکھتے ہو، اسی لیے اُسے پھینکنے کا اصرار کر رہے ہو، تاکہ جیسے ہی میں اُسے پھینکوں، تم اسے اُٹھا لو۔ اس خیال میں نہ رہو کیونکہ یہ تازیانہ مجھے خدا کی طرف سے ملا ہے۔"

ہرچند کہ بینا شخص نے اسے بہت سمجھایا مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ہوا گرم ہونا شروع ہوئی اور سردی سے ٹھٹھرے ہوئے سانپ کے جسم میں گرمی پیدا ہوئی۔ وہ کلبلایا اور لہرانے لگا اور اسی درمیان اُس نے نابینا کے ہاتھ پر ڈس لیا اور وہ اسی وقت مر گیا۔

# 29

# کسی کو رازدار نہ بناؤ

ایک بادشاہ اپنی انصاف پسندی کی وجہ سے دُور دُور تک مشہور تھا۔ ایک روز وہ شکار کو گیا۔ جب جنگل کے قریب پہنچا تو ہر شخص شکار میں مشغول ہوگیا، تو بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا۔

"تم میرے ساتھ گھوڑا دوڑاؤ، کیونکہ مدّت سے میری یہ آرزو رہی ہے، کہ میں یہ جانوں کہ تمہارا گھوڑا زیادہ تیز رفتار ہے یا میرا" وزیر نے بادشاہ کے حکم کے مطابق گھوڑے کو دوڑانا شروع کیا۔ بادشاہ نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی جب یہ لوگ بہت دُور نکل گئے تو بادشاہ نے لگام موڑلی اور کہا۔

"اس سفر کو یہیں ختم کرو۔ میرے دل میں ایک خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ میں اپنے کسی بھی مصاحب کو اعتماد کے قابل نہیں سمجھتا۔ البتہ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ تنہائی میں تم پر اپنا راز ظاہر کروں۔"

وزیر نے خدمت بجالاتے ہوئے کہا:

" اگرچہ یہ ناچیز اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ جہاں پناہ اپنا راز مجھ پر ظاہر کریں۔ بہرحال اگر آپ نے مجھے اس لائق سمجھا ہے تو اس راز کو جان سے زیادہ بھی عزیز رکھوں گا۔ یہاں تک کہ ہوا بھی اس کو نہ پا سکے گی۔"

بادشاہ نے اس کو سراہتے ہوئے کہا۔

" مجھے اپنے بھائی کی طرف سے اندیشہ رہتا ہے۔ اس کی حرکات وسکنات پر نظر کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرے قتل کے درپے ہے، اور میں نے بھی یہ طے کر لیا ہے کہ اس سے قبل کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچائے، میں ہی اس کا صفایا کردوں۔ تمہیں چاہیئے کہ تم مسلسل اُس کی نگرانی کرو، اور میری حفاظت کا خیال رکھو۔"

وزیر آداب بجالایا اور انتہائی فرماں برداری کے ساتھ اس راز کو مخفی رکھنے کا وعدہ کیا لیکن ابھی منزل تک پہنچا بھی نہ تھا کہ اُس کے دل میں بیوفائی نے راہ پائی اور دغابازی نے گھر کیا۔

وزیر پہلی فرصت میں بادشاہ کے بھائی کے پاس حاضر ہوا اور جو کچھ واقعہ بادشاہ سے سُنا تھا، اُسے کہہ سنایا۔ بادشاہ کے بھائی نے اُسے انعام دیا۔ اور بہت سے وعدے کیے اور نہایت تدبیر کے ساتھ اپنے آپ کو بادشاہ سے بچاتا رہا اور ایک دن موقع پاکر بھائی کو قتل کردیا اور خود سلطنت

پر قابض ہو گیا۔

تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے اُس نے حکم دیا کہ وزیر کو قتل کیا جائے۔ وزیر نے دست بستہ عرض کی۔

"حضور کا اقبال بلند ہو۔ میرا گناہ کیا ہے؟ جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟"

بادشاہ نے کہا۔ "کسی کا راز دوسروں پر ظاہر کرنا بدترین گناہ ہے۔ میرے بھائی نے تمہیں اپنا رازدار بنایا تھا، کیا اس کا بدلہ یہی تھا کہ تم اُس کا راز فاش کر دیتے؟ اُسے میرے ہاتھ سے قتل کروا دیتے؟ اب مجھے تم پر اعتماد کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

وزیر نے بہت معذرت کی مگر بادشاہ نے ایک نہ سُنی۔ آخر اس بے وفا کا سر تن سے جُدا کر دیا گیا۔

---

# 30

# دنیاداری کاجال

ایک زاہد دُنیا سے بے نیاز ہوکر ایک صحرا کے کسی گوشے میں زندگی گزارتا تھا۔ اُسے نہ قیمتی لباس کا شوق تھا، نہ عمدہ کھانوں کا۔ بلکہ وہ معمولی سے لباس اور معمولی سی غذا پر قناعت کرتا تھا۔ اس شخص کے تقویٰ اور عبادت کا چرچا دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اُس کی زیارت کو آتے تھے اور اُس کے مرید ہوجاتے تھے۔ اس ملک کا بادشاہ جو خود بہت عادل اور دُرویش دوست تھا اور ہمیشہ انبیاء اور اولیاء کے اخلاق کی پیروری اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اُسے بھی زاہد سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ایک دن وہ زاہد کے خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے پندونصیحت کا تقاضا کیا۔

زاہد نے کہا ــــــ " اے بادشاہ! اس جہان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فانی کہ اُسے دُنیا کہتے ہیں اور دوسری باقی کہ اُسے عقبیٰ کہتے ہیں ــــــ جو

عالی ہمت ہوتا ہے وہ فانی دنیا سے دل نہیں لگاتا، بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا کا طلب گار ہوتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا ـــ "اس باقی رہنے والی دُنیا کو کس طرح حاصل کیا جا سکتا ہے؟"

زاہد نے کہا ـــ "مظلوموں کی دست گیری اور بے کسوں کی فریاد رسی کے ذریعے اور ہر وہ بادشاہ جو آخرت کی راحت چاہتا ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ عوام کو راحت پہنچائے۔"

زاہد نے جب اس طرح کی نصیحت کی تو بادشاہ بے حد خوش ہوگیا، اور مسلسل اُس کی صحبت میں رہنے لگا۔ بادشاہ نے اُس کی مُریدی قبول کرلی۔ ایک روز بادشاہ زاہد کی خدمت میں حاضر تھا اور گفتگو میں مصروف تھا کہ اچانک داد خواہوں کا ایک گروہ چیختا چلّاتا بادشاہ کے پاس آیا۔ زاہد نے انھیں بلایا اور ہر ایک کا حال باری باری دریافت کیا اور اُس کے مطابق بادشاہ کو حکم کرنے کا مشورہ دیا۔ بادشاہ اس بات سے کافی متاثر ہوا اور زاہد سے درخواست کی کہ کبھی کبھار اس قسم کے مشورے دیتا رہے تاکہ مظلوموں کی صحیح اور جلد از جلد دادرسی ہو سکے اور میں بھی اس طرح انصاف کرتا رہوں۔ زاہد نے یہ پیش کش قبول کرلی اور ہر معاملے کو بادشاہ کو مشورہ دینے لگا۔ بادشاہ اس پر عمل کرتا۔ اس طرح بادشاہ کے انصاف اور

زاہد کی نیک نیتی کی شہرت اس ملک کے کونے کونے تک پہنچ گئی اور حکومت کے معاملے میں زاہد کا عمل و دخل روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ اس کے دل میں جاہ و اقتدار کا لالچ روز بروز بڑھتا چلا گیا اور قناعت سے منہ موڑ کر تخت و تاج کی خواہش پیدا ہونے لگی۔ بادشاہ نے بھی جب زاہد کے عمل و دخل کو حکومت کے معاملات کے موافق پایا تو تمام اختیار اس کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ زاہد کو پہلے تو صرف ایک روٹی کی فکر تھی، اب سارے جہان کی فکر میں گرفتار ہوا۔

ایک روز ایک دُرویش، جو ایک مدّت تک زاہد کی صحبت میں رہ چکا تھا، اُس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب زاہد کا یہ حال دیکھا تو حیران رہ گیا۔ رات ہوئی اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ ختم ہوئی تو اُس نے زاہد سے کہا:

"اے شیخ! یہ کیا حال ہے جو میں دیکھ رہا ہوں"

زاہد نے بہت بہانے بنائے لیکن ایسی کوئی بات نہ کی جو معرفت کی کسوٹی پر پوری اُترتی۔ دُرویش نے کہا۔

"یہ سب باتیں تو بہانہ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا دل دُنیاوی مال و متاع میں اُلجھ گیا ہے۔ تم اپنے ضمیر کو دُنیاوی گرد و غبار سے پاک کرو اور قناعت سے کام لو۔"

زاہد نے کہا۔۔۔" اے میرے غم خوار! لوگوں کے آنے جانے سے مجھ میں کچھ تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔"

دُرویش نے کہا۔۔" ابھی تمہیں اس بات کی خبر نہیں، کیونکہ دنیاوی لالچ اور غرض مندی نے تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور اس وقت جب تمہاری آنکھیں کھلیں گی، کوئی فائدہ نہ ہوگا اور پشیمانی کام نہ آئے گی۔ تمہاری مثال اس اندھے کی سی ہے، جس نے سانپ کو تازیانہ سمجھ لیا تھا اور بتانے پر بھی نہ سمجھا۔ آخر ہلاک ہوا۔ میں یہ مثل تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم بھی دنیا پر اعتماد نہ کرو۔ کیونکہ وہ بھی ایک خوبصورت سانپ کی مانند ہے اور اس کی نرمی اور نازکی پر نہ جاؤ، کیونکہ اس کا زخم بڑا قاتل ہوتا ہے اور اس کا زہر جان لیوا۔"

زاہد خاموش ہوگیا۔ صبح دُرویش چلاگیا اور زاہد پھر حکومت کے کاموں میں مشغول ہوگیا۔ دھیرے دھیرے تمام امراء اور وزراء کو اُن کے عہدوں سے ہٹاکر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی اور فیصلوں میں بھی ناانصافی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ رشوت بھی لینے لگا اور ایک دن ایک شخص کو خلافِ شرع قصور وار ٹھہراکر اُس کے قتل کا حکم دے دیا۔ مقتول کے وارث داد خواہی کے لیے بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہاکہ زاہد نے ناحق ہمارے عزیز کو قتل

کر دیا۔ شرعًا اُس پر قصاص واجب ہے۔ بادشاہ نے اُن کا معاملہ قاضی کے سُپرد کیا۔ تحقیق کے بعد قاضی نے حکم دیا کہ مقتول کے قصاص کے لیے زاہد کو قتل کر دیا جائے۔ اس طرح زاہد مارا گیا۔

---

## 31

# روشن ضمیر بوڑھا

فارس کے ایک شہر میں ایک شیخ بڑا روشن ضمیر تھا۔ جو ولی کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ اُس کا چرچا دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ سیکڑوں لوگ اُس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ ایک مرتبہ سمرقند کا ایک دُرویش مصیبتیں اُٹھاتا ہوا شیخ کے آستانے پر پہنچا۔ خانقاہ کے خادم نے اُس کی خیریت دریافت کرنے کے بعد اُس سے کہا۔ "تم کچھ دن یہیں رہو اور انتظار کرو، کیونکہ شیخ بادشاہ کی ملازمت میں گیا ہوا ہے اور اُس کے آنے کے بعد ہی تمہاری ملاقات ہو سکے گی۔"

اس دُرویش کو یہ جان کر بڑا افسوس ہوا۔ اُس نے دل میں سوچا کہ میں نے بیکار ہی یہاں آنے کی زحمت اُٹھائی۔ وہ شیخ جو بادشاہوں کی ملازمت میں رہے وہ مجھے کیا خاک دے سکے گا اور میں اُس کی

صحبت سے کیا فائدہ اُٹھا سکوں گا۔ یہ سوچ کر فوراً خانقاہ سے باہر آیا اور بازار کی طرف چلا۔

راستے میں وہ اپنے آپ پر افسوس کرتا چلا جارہا تھا کہ اچانک اس شہر کے کوتوال کی نظر اس پر پڑی۔ اتفاق سے اس رات ایک چور جو اس دُرویش کا ہم شکل تھا۔ قید خانے سے فرار ہوا تھا اور بادشاہ نے چور کے فرار ہونے اور کوتوال کے غافل رہنے سے غصّہ ہوکر حکم دیا تھا کہ جلد از جلد چور کو تلاش کرکے لایا جائے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ جب کوتوال نے اس دُرویش کو دیکھا تو بھاگا ہوا چور سمجھ کر اُسے گرفتار کرلیا اور عدالت میں حاضر ہوا۔ دُرویش نے ہرچند صفائی پیش کی کہ میں چور نہیں ہوں۔ لیکن اُس کی ایک نہ سنی گئی۔ سوائے ہاتھ کٹوانے کے اب اُس کے لیے کوئی چارہ نہ تھا جیسے ہی جلاّد نے اس کا ہاتھ کاٹنے کے لیے تلوار اُٹھائی، اچانک روشن ضمیر شخص وہاں داخل ہوا اور صورتِ حال دریافت کرکے کوتوال سے بولا۔

"یہ ہماری خانقاہ کا ایک درویش ہے۔ اسے اس طرح زبردستی سزا دینا خلافِ انصاف ہے۔ اس لیے اُسے ہرگز ہرگز سزا نہ دی جائے۔"

کوتوال نے جیسے ہی شیخ کو دیکھا فوراً اُس کے قدموں کا بوسہ لیا اور اس کی بات مان لی۔ اس طرح دُرویش کو کوتوال کے ظلم وستم سے نجات پاکر شیخ کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں شیخ نے دُرویش کے کندھوں پر ہاتھ

رکھ کر آہستہ سے کہا۔

"فقیروں کے لیے بدگمانی مناسب نہیں۔ اگر میں بادشاہ کی ملازمت اختیار نہ کرتا تو تم جیسے مظلوموں کو ظالموں کے ہاتھوں سے کیوں کر رہائی ملتی۔"

دُرویش کی سمجھ میں آگیا کہ اس کا خیال دراصل شیطانی بہکاوے کا نتیجہ تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اہلِ کمال سے جو بھی فعل سرزد ہوتا ہے وہ فائدے سے خالی نہیں ہوتا۔ کیونکہ دُرویش کا ارادہ دراصل خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ اُس نے فوراً شیخ سے معافی مانگی اور اس کے قدموں پر گر پڑا۔

---

# 32

# تین حاسد

تین آدمی ایک ساتھ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ ان تینوں میں جو سب سے بڑا تھا اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا۔ "تم نے اپنا شہر کیوں چھوڑا اور سفر کی یہ مصیبت کیوں قبول کی؟" اُس نے جواب دیا۔ "میں جس گاؤں میں رہتا تھا، وہاں ایسے ایسے واقعات رونما ہوتے تھے جنھیں میں برداشت کر پاتا تھا اور حسد سے جل اُٹھتا تھا اور مسلسل جلتا رہتا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ دو تین روز کے لیے اپنے وطن کو چھوڑ دوں شاید اس طرح ان واقعات کو دیکھنے سے محفوظ رہوں، جو مجھ سے نہیں دیکھے جاتے۔"

دوسرے نے کہا ــــ "مجھے بھی یہی دُکھ ستاتا تھا اور اسی لیے میں نے بھی اپنا وطن چھوڑ دیا۔"

تیسرے نے کہا: "تم دونوں میری ہی طرح ایک سا دُکھ رکھتے ہو۔ میں بھی اسی جلن میں جنگل کی طرف نکلا تھا۔"

جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ وہ سب ایک ہی غم کا شکار ہیں تو وہ ایک دوسرے سے بڑے خوش ہوئے۔ ایک روز راستے میں انھیں اشرفیوں سے بھرا ایک تھیلا ملا۔ تینوں ایک ساتھ اُسے اُٹھانے کے لیے جھکے اور کہنے لگے۔

"آؤ ہم مل کر ان اشرفیوں کو بانٹ لیں اور یہاں سے اپنے وطن کو لوٹ جائیں تاکہ آرام سے گذر بسر کرسکیں۔"

کوئی بھی شخص اس حسد کے مارے اس پر راضی نہ ہوا کہ دوسروں کو اس میں حصّہ کیوں مل رہا ہے۔ تینوں پریشان ہوکر وہیں بیٹھ گئے۔ نہ یہ ہمت تھی کہ اشرفیوں کے تھیلے کو وہیں چھوڑدیں اور نہ یہ گوارا تھا کہ انھیں آپس میں تقسیم کرلیں۔ پورا ایک دن اور ایک رات بھوکے پیاسے آپس میں لڑتے رہے لیکن پھر بھی فیصلہ نہ کرسکے۔

دوسرے روز صبح صبح ایک بادشاہ شکار کی غرض سے اُس طرف آنکلا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ پہنچا۔ جہاں تینوں بیچ راستے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن سے اُس کی وجہ دریافت کی اور حال معلوم کیا۔

تینوں نے سچ سچ بات بتادی کہ ہم تینوں بڑے حاسد ہیں، اور

اسی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر سفر پر روانہ ہوتے تھے۔ لیکن یہاں بھی وہی واقعہ پیش آیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی۔ ہم ایک منصف کی تلاش میں ہیں جو ان اشرفیوں کو ہمارے درمیان تقسیم کردے۔ شکرِ خدا کہ اب وہ موقع میسّر ہوا اور آپ لوگ یہاں آئے۔"

بادشاہ نے کہا۔۔ تم تینوں میں۔ ہر شخص اپنے اپنے حسد کی صفت بیان کرے تاکہ میں اس حساب سے یہ اشرفیاں تم لوگوں میں تقسیم کرسکوں۔"

ایک نے کہا۔۔" میرا حسد اس مرتبے پر پہنچ چکا ہے کہ میں یہ ہرگز ہرگز نہیں چاہتا کہ کسی پر میں احسان یا شفقت کروں تاکہ وہ میرے اس احسان کی وجہ سے خوش حال ہو جائے۔"

دوسرے نے کہا۔۔ تم تو پھر بھی نیک ہو اور حسد ہرگز نہیں رکھتے۔ میرا حسد تو اس درجہ کو پہنچ چکا ہے کہ میں یہ بھی نہیں دیکھ سکتا کہ کوئی کسی پر احسان یا شفقت کرے اور اپنے مال میں سے کسی کو کچھ دے۔"

تیسرے شخص نے کہا۔۔ تم دونوں اس معاملے میں بدنصیب اور تمہارا دعویٰ پھسپھسا اور بے بنیاد ہے۔ میں اس قدر حاسد ہوں کہ یہ بھی ہرگز ہرگز گوارا نہیں کرسکتا کہ کوئی مجھ پر احسان اور شفقت کرے۔ یا میرے ساتھ نیکی کرے تاکہ اس نیکی کے بدلے اُسے کچھ ملے۔"

بادشاہ نے تعجب سے دانتوں میں اُنگلی دبالی اور ان حاسدوں کے

حسد پر حیران ہو اُٹھا اور کہا۔

" یہ اشرفیاں تم تینوں پر حرام ہیں اور ہر ایک کو اس کے گناہ کے مطابق سزا لازمی ہے۔ وہ جو دوسروں پر احسان نہیں کرنا چاہتا، اس کی سزا یہی ہے کہ وہ بھی اس دولت سے محروم رہے اور نقصان اُٹھائے اور وہ جو یہ بھی گوارہ نہیں کر سکتا کہ کوئی کسی پر احسان کرے، اس کی سزا یہی ہے کہ اُسے جلد از جلد زندگی کی قید سے آزاد کر دیا جائے، تاکہ وہ اس دُکھ کو برداشت کرنے سے نجات پائے۔ اور وہ شخص جو اپنے آپ پر احسان کرنے والے سے بھی حسد رکھتا ہے اور اپنے حق میں بھی کسی کی نیکی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اس سزا کا مستحق ہے کہ مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا ہو اور ایک مدت تک اسی میں گھرا رہے۔ یہاں تک اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔"

لہٰذا پہلے شخص کے لیے حکم دیا کہ اسے ننگے پاؤں، بے سروسامان اس جنگل میں چھوڑ دیا جائے اور اس کے پاس جو مال و متاع ہے، وہ سب چھین لیا جائے۔ دوسرے حاسد کو تہ تیغ کرنے کا حکم دیا اور تیسرے شخص کو ننگے بدن تیز دھوپ میں پھینکنے کا حکم دیا تاکہ روتے روتے ہلاک ہو جائے۔ اس طرح تینوں حاسد اپنے حسد کی وجہ سے اس انجام کو پہنچے۔

---

# 33

# عقل مند سردار

کشمیر کے ایک گاؤں میں ایک خوبصورت سبزہ زار تھا۔ جس کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی تھی۔ چونکہ اس سبزہ زار میں شکار آسانی سے کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے وہاں اکثر شکاری آیا کرتے تھے۔ جانوروں اور پرندوں کے لیے جال بچھایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک شکاری نے ایک درخت کے نیچے جال بچھایا اور اس میں چند دانے بکھیر دیئے اور خود ایک کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد کبوتروں کا ایک غول وہاں آیا۔ جس کا سردار "مطوقہ" نام کا ایک کبوتر تھا جو بڑا ہی ذہین، چالاک، معاملہ فہم اور طاقت ور تھا۔ تمام کبوتر اس کے حکم پر چلتے تھے اور اُس کی تابع داری میں فخر محسوس کرتے تھے۔ جیسے ہی کبوتروں کی نظر دانوں پر پڑی، بھوک کے مارے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔

مطوقہ نے بزرگانہ اور شفیقانہ لہجے میں انھیں اس بات سے منع کیا اور تنبیہ کی کہ "حرص کے راستے پر دانہ دیکھ کر بے قرار مت ہونا۔ کیونکہ ہر دانے کے نیچے ایک جال بچھا ہوتا ہے۔"

انھوں نے جواب دیا ـــ "ہماری بے قراری اتنی بڑھتی جا رہی ہے کہ اب نصیحت سننے اور عاقبت کا خیال کرنے کی ہم میں تاب نہیں رہی اور بزرگوں نے یہ بھی تو کہا ہے کہ بھوک انسان کو دلیر بنا دیتی ہے تاکہ وہ عمر بھر کے لیے سیر ہو جائے۔"

مطوقہ سمجھ گیا کہ یہ دانے کے لالچ میں نصیحت نہیں سنیں گے اور انھیں ملامت کی رسی کی مدد سے، غفلت اور جہالت کے کنویں سے باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ سوچا کہ ان سے کنارہ کر کے ایک گوشے میں چلا جائے مگر کاتبِ تقدیر نے اُس کی قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ مناسب نہیں کہ اس کے ساتھی جال میں پھنسیں، اور وہ خود یہاں سے چلا جائے۔ غرض وہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے اُترا۔ جیسے ہی انھوں نے دانہ چُگنا چاہا شکاری کے جال میں پھنس گئے۔ اسی وقت مطوقہ چلّایا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ عجلت پسندی بُری ہوتی ہے اور کسی کام کو بغیر سوچے سمجھے کرنا ناپسندیدہ عمل ہے۔"

شرمندگی اور ندامت کے مارے تمام کبوتر ایسے خاموش ہوگئے، جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ شکاری اپنی کمین گاہ سے باہر آیا اور خوشی خوشی اس طرف دوڑا کہ ان تمام کبوتروں کو لے کر اپنے گھر کی طرف لوٹے۔ جیسے ہی کبوتروں کی نظر شکاری پر پڑی وہ بے قرار ہوگئے اور ہر ایک اپنی رہائی کی جدوجہد کرنے لگا۔

مطوّقہ نے کہا ـــ "دوستو! ہم میں سے ہر شخص اپنی رہائی کی کوشش کررہا ہے۔ اُسے دوسروں کا کوئی خیال نہیں۔ یہ دوستی کی شرط نہیں۔ دوستی کی پہلی شرط یہ ہے کہ دوستوں کی رہائی کو اپنی رہائی سے زیادہ اہم سمجھو۔ جیسا کہ دو دوست ایک کشتی میں بیٹھے تھے۔ اچانک ساحل کے قریب پہنچ کر کشتی ڈوبنے لگی اور دونوں پانی میں گر گئے۔ ایک ملاح نے دریا کے کنارے سے چھلانگ لگائی اور ارادہ کیا کہ اُن میں سے کسی ایک کو پکڑ کر بچالے۔ جس کو بچانا چاہا، اُس نے چیخ کر یہی کہا کہ اس گرداب میں میرا دوست بھی ڈوب رہا ہے، مجھے چھوڑدو اور اُسے بچالو۔ اگر تم میں اتنی جُرأت نہیں ہے کہ اپنے بجائے اپنے دوستوں کو بچاسکو تو کم از کم اتنا ضرور کرو کہ ایک ساتھ ایک دوسرے کی مدد سے طاقت لگاؤ تاکہ اتفاق کی برکت سے یہ جال اپنی جگہ سے اُٹھ جائے اور ہم سب رہائی پائیں۔"

کبوتروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، سب نے مل کر زور لگایا اور
جال لے کر اُڑ گئے۔ شکاری ہر چند اُن کے پیچھے دوڑا مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔
وہ ہوا میں غائب ہو گئے۔

مطوقہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جال سمیت اُڑتا رہا اور شکاری مُنہ
تکتا رہ گیا۔ مطوقہ نے جب یہ دیکھا کہ شکاری اب بھی اُن کا پیچھا کر رہا ہے
تو اُس نے اپنے دوستوں سے کہا۔

"یہ کم بخت ہمارے خاتمے پر کمر باندھے ہوتے ہے۔ جب تک ہم
اس کی نظروں سے دُور نہیں ہوتے، سکون نہیں پا سکتے۔ بہتر یہ ہے
کہ ہم آبادی کا رُخ کریں اور کسی باغ یا جنگل کی طرف اڑیں تاکہ اُس
کی نگاہ ہم پر سے ہٹے اور ناامید ہو کر واپس لوٹے"

کبوتروں نے مطوقہ کے مشورے پر عمل کیا۔ اس عقل مند کبوتر نے
کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم کسی وفادار دوست کی مدد کے بغیر رہائی نہیں
پا سکتے۔ ان اطراف میں ایک چوہا میرا دوست ہے۔ وہ وفاداری اور دوستی
کے ناطے ہم سب کی رہائی میں مدد کرے گا"

پس وہ تمام کبوتر اس جگہ پہنچے جہاں مطوقہ کا دوست رہتا تھا
اور اس کے بِل کے پاس پھڑپھڑانے لگے۔ مطوقہ نے اُسے آواز دی۔ جیسے

ہی چوہے کے کانوں میں مطوقہ کی آواز پہنچی وہ باہر نکل آیا اور جب
اُس نے اپنے دوست اور اُس کے ساتھیوں کو جال میں پھنسا ہوا دیکھا تو
بے چین ہوکر بولا :

"میں تمہاری یہ کیا حالت دیکھ رہا ہوں ۔ تم تو بہت عقل مند ہو، پھر
اس جال میں گرفتار کیسے ہوئے ؟

مطوقہ نے جواب دیا ۔ "لالچ بُری بلا ہے ۔ مجھے اور میرے دوستوں کو
دانہ کے لالچ نے اس میں گرفتار کیا ۔"

چوہے نے کہا ــــ "دوست ! دل چھوٹا نہ کرو ۔ آخر میں کس دن تمہارے
کام آؤں گا اور دوستی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مصیبت میں دوست کی مدد
کی جائے ۔"

یہ کہہ کر چوہے نے مطوقہ کی گردن سے جال کترنا شروع کیا ۔ مطوقہ
نے کہا ــــ " اے میرے مہربان دوست ! پہلے میرے دستوں کی گردن
سے بند کاٹو ۔ اُس کے بعد میری طرف متوجہ ہونا ۔"

چوہے نے کہا ــــ " تم نے حد کردی ۔ شاید تم اپنی دوستی کا حق ادا
کررہے ہو لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ پہلے حق ادا کرنا چاہیے اور پھر دوسروں
کا ۔ تم پر تمہارا اپنا حق بھی ہے ۔"

مطوقہ نے کہا ــــ "ان کبوتروں کی سرداری میرے نام لکھی گئی ہے
اور ایک سردار کی حیثیت سے اُن کی جان و مال کی حفاظت کرنا میرا فرض

ہے۔ لہٰذا اُن کا مجھ پر حق ہے کیونکہ یہ میرے کہنے پر یہاں آئے ہیں اور میں تمہاری مدد سے اُن کو آزاد کرانے کا وعدہ کر چکا ہوں۔"

چوہے نے کہا ــــ بادشاہ رعایا کے لیے ایسا ہی ہے جیسے جسم کے لیے جان یا دل۔ اس لیے اس کا خیال رکھنا سب سے ضروری ہے۔ کیونکہ اگر دل میں کوئی خرابی ہے تو تمام اعضاء کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

مطوقہ نے کہا ــــ "میں ڈرتا ہوں کہ اگر تم پہلے میری گردن کے حلقے کترو اور تھک جاؤ یا گھبرا جاؤ تو میرے باقی دوست یوں ہی پھنسے رہ جائیں گے اور یہ دوستی اور مروّت سے بعید ہوگا۔ اگر اُن کی گردنوں کے حلقے پہلے کترو اور پھر تم بھی تھک جاؤ تو یہ ناممکن ہے کہ تم مجھے رہا نہ کرو، کیونکہ تم میرے دوست ہو۔"

چوہے نے کہا ــــ "اہلِ کرم کی یہی فطرت ہوتی ہے اور اُن کا عمل ایسا ہی ہوتا ہے۔ اسی پسندیدہ اخلاق کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول ہوتے ہیں۔ شاید اسی لیے تمہارے ساتھیوں کا اعتماد روز بروز تم پر بڑھتا جا رہا ہے۔

چوہے نے جلدی جلدی جال کتر دیا اور آخر میں مطوقہ کی گردن کے حلقے کاٹے۔ کبوتروں نے اُس سے رُخصت لی اور بہ حفاظت اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ گئے اور چوہا اپنے بِل میں چلا گیا۔

# 34

# باز اور چڑا

ایک پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا چڑا آہستہ آہستہ پھدک رہا تھا اور اس کے چہچہانے کی آواز آسمان تک پہنچ رہی تھی ۔ اتفاق سے ایک شکاری باز ہوا میں اُڑ رہا تھا ۔ جب اُس نے چڑے کا پھدکنا دیکھا اور اُس کی چہچہاہٹ سُنی تو اُس کا جی چڑے پر آگیا اور بیساختہ اُس سے دوستی کرنے کو جی چاہا ۔ دل میں سوچا کہ کوئی بھی ایک اچھے ساتھی یا دوست کے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ یہ مثل مشہور ہے کہ " جو بے یار ہوتا ہے مثلِ بیمار ہوتا ہے "۔ یہ چڑا بڑا خوبصورت اور خوش نوا ہے ۔ اُس کی صحبت میں وقت اچھا گزرے گا ۔ پس آہستہ سے چڑے کے پاس آیا ۔ جیسے ہی چڑے کی نظر اس پر پڑی وہ خوف زدہ ہو کر ایک سوراخ میں چھپ گیا ۔ باز اس سوراخ کے پاس آیا اور آ ـــــ

" اس سے پہلے میں تیری اس خوبی سے واقف نہ تھا اور تیرے فضل و کمال سے بے خبر تھا۔ مگر آج تیری چہچہاہٹ نے میرا دل خوش کر دیا اور تیری خوبصورت چال نے مجھے تیرا دیوانہ بنا دیا۔ توقع کرتا ہوں کہ اب تو مجھ سے خوف زدہ نہ ہوگا بلکہ دوستی کرنے پر تیار ہو جائے گا۔"

چڑے نے آواز دی ـــ " اے خود غرض مہربان! مجھ سے ہاتھ اُٹھالو اور یہ سمجھ لو کہ اگر آگ اور پانی یکجا ہو جائیں، آفتاب اور سایہ بھی ایک ہو جائیں، تب بھی ہماری دوستی ناممکن ہے۔"

باز نے کہا ـــ پیارے چڑے! ایک بار اپنے دل میں سوچ کہ میرے دل میں کوئی بے ایمانی ہوتی تو پھر میں تجھ سے اتنی محبت سے کیوں پیش آتا۔ نہ ہی میرے پنجوں میں کوئی کمی ہے جو تیرے شکار سے باز رہوں اور نہ ہی میری چونچ میں کوئی خرابی ہے کہ تجھے لقمۂ اجل بنانے سے عاجز رہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تیری دوستی کی تمنا میرے دل میں پیدا ہوئی ہے۔ تجھے بھی میری دوستی سے کافی فائدے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ جب میرے ساتھی دیکھیں گے کہ میں خود تجھے اتنے پیار سے پال رہا ہوں تو وہ تیری طرف جھپٹنے سے باز رہیں گے اور تیرا احترام کریں گے۔ دوسرے یہ کہ میں تجھے اپنے آشیانے میں رکھوں گا اور تو اس اونچے مسکن میں رہ کر اپنی

برادری میں افضل سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر تو اپنے ہم جنسوں میں سے کسی خوبصورت چڑیا سے شادی کرنا چاہے گا تو میں دھوم دھام سے تیری شادی کروں گا۔"

چڑے نے کہا۔ تم پرندوں کے سردار ہو اور میں تمہاری رعایا میں سے ہوں۔ ہم جیسے لوگ خامیوں اور خطاؤں سے خالی نہیں ہوتے۔ ممکن ہے مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جائے جو تمہیں ناگوار گزرے اور مجھ پر تمہارا عذاب نازل ہو۔"

باز نے کہا۔ کیا تو نے نہیں سنا کہ دوست کی آنکھ دوستوں کے عیب دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ دوست کی غلطی بھی خوبصورت لگتی ہے۔ اور میں نے چونکہ تیری حرکتوں کو محبت کی نظر سے دیکھا ہے تو پھر تیری خطا پر کیسے ناراض ہوں گا؟"

چڑے نے ہر چند بہانے بنائے لیکن ایک نہ چلی۔ آخر باز کے وعدو پیمان پر وہ سوراخ سے باہر نکل آیا۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے ملے، اور محبت کی قسمیں کھائیں۔ بازار سے اپنے آشیانے میں آیا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

جب اس طرح رہتے رہتے کچھ دن ہو گئے تو چڑا باز کی طرف سے بے خوف ہو گیا اور تھوڑا گستاخ ہو کر دلیرانہ بات کرنے لگا۔ بات چیت کے

دوران خواہ مخواہ قہقہے لگاتا اور بات سُنی اَن سُنی کر دیتا۔ آخرکار چڑے کی ان حرکتوں سے باز کے دل میں نفرت پیدا ہونے لگی اور وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ یہاں تک کہ اُسے ایک دن تھوڑی کمزوری محسوس ہوئی اور وہ غذا کی تلاش میں باہر نہیں جا سکا۔ تمام دن آشیانے میں ہی پڑا رہا۔ جب رات ہوئی تو پیٹ کی آگ اور بھڑکی اور اُس کے اندر کی خواہش جاگ اُٹھی۔ اس کے دل میں چڑے کی نفرت اور شدید ہونے لگی۔ حالانکہ وہ اپنے وعدہ و پیمان یاد کرنے لگا لیکن دل اُسے قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ وہ اپنا وعدہ توڑنے اور چڑے کو کھانے کا بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ چڑے نے باز کے چہرے پر غصّہ اور غضب کے آثار دیکھے تو سمجھ گیا کہ میری خیر نہیں اور میں نے ایک غیر جنس سے دوستی کرکے بڑی غلطی کی ہے۔ سچ ہے دوستی ہمیشہ اپنے جیسے اور اپنے برابر والوں سے اپنے ہم جنسوں سے ہی کرنی چاہیئے۔

اِدھر چڑا یہ سوچ رہا تھا اور اُدھر باز اپنی خونخوار چونچ اور پنجوں کے ساتھ کوئی بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ باز نے جب کوئی بہانہ نہ پایا تو آخر بے طاقت ہوکر غصّے سے منہ بنالیا اور چڑے سے کہا۔

"کیا یہ اچھا ہے کہ میں دن بھر سورج کی دھوپ میں تپتا رہوں اور تو چھاؤں میں زندگی گزارے؟"

چڑے نے کہا ــــ "حضور! اس وقت رات ہے اور تمام دنیا پر اندھیروں کا پہرہ ہے ۔ یہاں دھوپ اور چھاؤں کہاں؟"

باز نے کہا ــــ نالائق! تو مجھے جھوٹا ثابت کرتا ہے اور میری بات کو رد کر رہا ہے؟ بدتمیز میں تجھے اس گستاخی کی سزا ضرور دوں گا۔"

یہ کہتے ہی اُسے پنجوں میں پکڑا اور چٹ کر گیا۔

---

35

# نیکی کا بدلہ

ایک شتر سوار سفر کے دوران ایک گاؤں میں پہنچا۔ جہاں ایک قافلے والوں نے جاتے جاتے آگ روشن کردی تھی۔ ہوا کے چلنے کی وجہ سے آگ بھڑک کر جنگل تک چلی گئی۔ اتفاقاً ایک بہت بڑا سانپ اس آگ کی لپیٹ میں آگیا اور بچنے کے لیے اِدھر اُدھر راہ تلاش کرنے لگا۔ مگر کوئی راستہ نہ ملا۔ قریب تھا کہ جل کر راکھ ہو جاتا کہ اچانک اس کی نظر شتر سوار پر پڑی۔ فریاد کی کہ "برائے مہربانی مجھ پر رحم کرو اور مجھے اس بلائے ناگہانی سے نجات دلاؤ۔" شتر سوار ایک خدا ترس اور رحم دل آدمی تھا۔ جب اُس نے سانپ کی فریاد سُنی اور اُس کی بے چینی اور تکلیف دیکھی تو دل میں سوچا کہ اگر چہ سانپ انسان کا دُشمن ہے لیکن اس وقت مصیبت میں گرفتار ہے۔ اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہ محبت اور شفقت کے ساتھ اُسے نجات دلاؤں، تاکہ

آخرت میں اس نیک کام کی جزا ملے۔ لہذا اس نے ایک تھیلا ڈنڈے کے سرے
پر لٹکایا اور سانپ تک پہنچایا۔ سانپ فوراً اس تھیلے میں گھس گیا اور سوار نے
اس ڈنڈے کو احتیاط سے آگ سے باہر نکالا۔ سانپ سے کہا: "اب تم جہاں
جانا چاہو چلے جاؤ، اب اس مصیبت سے آزاد ہو۔ خدا کا شکر ادا کرو اور
اس کے بعد انسانوں کو آزار پہنچانے سے بچو۔ کیونکہ لوگوں کو تکلیف پہنچانے
والا اس دنیا میں بدنام ہوتا ہے اور آخرت میں سزا پاتا ہے۔"

سانپ نے کہا — "اے جوان! اس بات کو بھول جا۔ کیونکہ جب تک
میں تجھے اور تیرے اونٹ کو ڈس نہیں لوں گا، یہاں سے نہ جاؤں گا۔"

سوار نے کہا — "میں نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے۔ اُس کا
بدلہ کیا یہی سزا ہے؟"

سانپ نے کہا — "یہ سچ ہے کہ تو نے میرے ساتھ نیکی کی ہے،
لیکن یہ بے موقع ہے۔ تو نے مجھ ایک غیر مستحق پر مہربانی کی۔ تو جانتا ہے
کہ میں ایک ضرر پہنچانے والا جانور ہوں اور مجھ سے آدمیوں کے ساتھ کسی
اچھے سلوک کی اُمید رکھنا بے وقوفی ہے۔ چونکہ تو نے میری نجات کی کوشش
کی ہے۔ یعنی جس کے ساتھ بُرائی سے پیش آنا چاہیے، اُس کے ساتھ
نیکی کی ہے تو اس کے لیے تجھے سزا بھگتنی ہوگی۔ کیونکہ بُروں کے ساتھ
بھلائی کرنا ایسا ہی ہے جیسے نیکوں کے ساتھ بدی کرنا۔ دوسرے یہ کہ شروع

یہی سے ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی چلی آرہی ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہ تھا کہ تو دشمن کا سر کچل دیتا۔ مجھے اس طرح رہا نہ کرتا۔ تو نے خلافِ شرع یہ بات کی ہے اور مجھ پر رحم کیا۔ میں ہر طرح تجھے ڈسوں گا۔"

سوار نے کہا ــــ انصاف سے سوچو کر کون سے مذہب میں نیکی کا بدلہ بدی ہے اور دوستی کا بدلہ دشمنی ہے۔"

سانپ نے کہا ــــ "تم انسانوں کی یہی عادت ہے اور میں بھی اسی پر عمل کر رہا ہوں۔"

اس شخص نے ہر چند التجا کی مگر سانپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بولا "جلدی سے فیصلہ کرو۔ پہلے تمہیں ڈسوں یا تمہارے اُونٹ کو؟" جوان نے کہا۔ "یہ خیال چھوڑ دو کیونکہ نیکی کا بدلہ بدی نہیں ہے۔" اُس نے پھر جواب دیا ــــ "یہ آدمیوں کا شیوہ ہے اور میں نے انسانوں سے یہی سیکھا ہے۔"

سوار نے اس بات سے انکار کیا اور کہا ــــ "تو اگر گواہوں کے ذریعے ثابت کرے تو میں تجھے ڈسنے کی اجازت دوں گا اور اپنی ہلاکت پر راضی ہو جاؤں گا ــــ"

سانپ نے نظر دوڑائی۔ سامنے ایک بھینس چر رہی تھی۔ سانپ اور اونٹ سوار دونوں اُس کے پاس آئے۔ سانپ نے کہا ــــ "اے بھینس نیکی کا بدلہ کیا ہے؟"

بھینس نے جواب دیا ـــ اگر انسانوں کے مذہب کی رُو سے پوچھو تو نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ میں ایک عرصے سے ایک آدمی کے پاس تھی۔ ہر سال بچہ دیتی تھی اور اس کا گھر میرے دودھ اور گھی پر پلتا تھا۔ اس کی روزی روٹی میرے ہی سہارے چلتی تھی۔ جب میں بوڑھی ہوگئی اور بچے پیدا کرنے سے معذور ہوگئی تو اُس نے مجھے گھر سے نکال کر اس جنگل میں ہانک دیا۔ اس کے بعد جب میں تھوڑے دنوں تک جنگل میں چرتی رہی اور اِدھر اُدھر بیکار پھرتی رہی اور تھوڑی موٹی ہوگئی تو کل میرا مالک ادھر سے گزرا۔ اُس نے میرا موٹاپا دیکھا تو ایک قصائی کو لے آیا اور مجھے اس کے ہاتھوں بیچ دیا اور آج وہ لوگ مجھے قصاب خانے لے جارہے ہیں اور مجھے کاٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ نیکی کا بدلہ بدی ہے۔"

سانپ نے اونٹ سوار سے کہا ـــ "دیکھا ـــ اب اپنے آپ کو ڈسوانے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

اونٹ سوار نے کہا ـــ "شریعت میں ایک گواہ کافی نہیں۔ دوسری گواہی بھی لو۔ پھر جو چاہو کرو۔"

سانپ نے پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کی نظر ایک درخت پر پڑی۔ کہا ـــ "چلو اس درخت سے معلوم کریں۔" دونوں درخت کے پاس آئے۔ سانپ نے اس درخت سے پوچھا کہ "نیکی کا بدلہ کیا ہے؟" درخت نے جواب دیا ـــ

" انسانوں کے مذہب میں تو نیکی کا بدلہ بدی ہے اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ میں ایک درخت ہوں۔ اس جنگل میں اُگا۔ ایک پاؤں پر کھڑا سب کی خدمت کرتا رہا۔ جب آدمی گرمی اور دھوپ سے گھبرا کر جنگل میں آیا تو گھنٹوں میرے سائے میں آرام کرتا رہا اور جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی تو میری طرف دیکھا اور بولا— " فلاں شاخ کلہاڑی بنانے کے لائق ہے۔ فلاں ہَل بنانے کے لیے مناسب ہے۔ تنے سے تختے اچھے بن سکتے ہیں۔ خوب صورت دروازے بن سکتے ہیں۔ اگر اُس کے پاس آرا یا کلہاڑی ہوتی تو میری شاخیں اب تک تنے سے جُدا ہو چکی ہوتیں۔ میں نے اسے راحت پہنچائی، اس لیے اس تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔"

سانپ نے کہا— " دو گواہوں نے گواہی دے دی۔ اب اپنا جسم اِدھر لاؤ تاکہ میں تجھے ڈسوں۔"

اونٹ سوار نے کہا— " زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔ اگر ایک گواہ اور مل جائے تو بے دھڑک مجھے ڈس لینا۔ میں تقدیر کے اس مذاق پر راضی ہو جاؤں گا—"

حسنِ اتفاق سے ایک لومڑی وہاں کھڑی ہوئی یہ سب دیکھ رہی تھی، اور ان دونوں کی باتیں سُن رہی تھی۔ سانپ نے کہا— " چلو اس لومڑی سے پوچھتے ہیں۔ لومڑی نے پوری روداد سُن کر اونٹ سوار سے کہا— " کیا تو نہیں

جانتا کہ نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ تو نے سانپ کے ساتھ کون سی نیکی کی جو اُس
کی سزا کا مستحق ہوا ہے ۔ تو تو ایک نیک آدمی نظر آتا ہے. تو نے اُسے بچانے
کی جھوٹی کہانی کیوں سنائی ؟"

سانپ نے کہا — "یہ سچ کہتا ہے. یہ ہے وہ تھیلا جس کے ذریعے اُس
نے مجھے آگ سے باہر نکالا ہے۔"

لومڑی نے تعجب خیز انداز سے کہا — "میں اس بات پر کیسے یقین کروں
کہ اتنا بڑا سانپ اتنے سے تھیلے میں سما گیا ؟" سانپ نے کہا — "اگر یقین نہ ہو
تو میں دوبارہ اس تھیلے میں جا کے بتاتا ہوں۔"

لومڑی نے کہا — "اگر یہ بات میں اپنی آنکھ سے دیکھ لوں تو اس کی سچائی
پر مجھے یقین آ جائے اور اس طرح تم دونوں کے درمیان فیصلہ کر سکوں گی۔" اُس
شخص نے پھیلایا اور سانپ لومڑی کے کہنے کے مطابق بڑی اکڑ کے ساتھ
اُس تھیلے میں داخل ہو گیا ۔ سوار پھر اُسے لاٹھی کے ذریعے کھینچنا ہی چاہتا تھا
کہ لومڑی نے کہا ۔

"اے سوار ! دشمن پھر تیرے قابو میں ہے. اب دیر نہ کر. اُسے مہلت
نہ دے ۔"

سوار نے تھیلے کو اُٹھا کر زمین پر دے مارا. سانپ فوراً مر گیا — اور
شتر سوار کی جان بچ گئی ۔

# 36

# ہرن سے بھیڑیئے تک

ایک شکاری اپنے فن میں بے حد ماہر تھا۔ اس کے ڈر سے جانور اس جنگل میں ٹکتے نہ تھے۔ یہاں تک کہ شیر بھی گھبراتے تھے۔ ایک دن اُس نے جال لگایا۔ اتفاق سے ایک ہرن اس میں پھنس گیا۔ جیسے ہی شکاری جال کے پاس آیا، ہرن نے زور سے جست لگائی یہاں تک کہ جال کے تمام پھندے ٹوٹ گئے اور ہرن بھاگ گیا۔ شکاری نے تیزی کے ساتھ ایک زبردست تیر چلایا۔ ہرن تڑپ کر گر پڑا۔ شکاری نے اُسے فوراً ذبح کیا اور اُسے لٹکا کر گھر کی طرف چلا۔ ابھی چند قدم ہی بڑھا ہوگا کہ ایک جنگلی سور سامنے آگیا اور اُس نے شکاری پر حملہ کردیا۔ شکاری نے بڑی پھرتی سے اُسے بھی ایک تیر مارا۔ سور اپنی جگہ ڈھیر ہوگیا۔ لیکن گرتے گرتے اُس نے ایک دانت شکاری کے سینے پر اتنی زور سے مارا کہ شکاری بھی وہیں ڈھیر ہوگیا۔ کچھ دیر بعد ایک

بھوکا بھیڑیا اُدھر سے گزرا اور اُس نے شکاری، ہرن اور سور تینوں کی لاشیں وہاں پڑی دیکھیں۔ ان سب کو پاکر وہ بڑا خوش ہوا اور دل میں سوچا کہ اتنی ساری خوراک کا ذخیرہ کرنا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی بھوک کے حساب سے کچھ کھالوں اور جوباقی بچے اُسے ایک گوشہ میں جمع کرلوں تاکہ وقتِ ضرورت کام آئے۔ پھر سوچا کہ " یہ تازہ گوشت ذخیرے کے لائق ہے۔ پہلے کمان اور چلّہ کھالوں کیونکہ اس میں چربی اور چمڑا ہے۔ باقی پھر کھاؤں گا۔"

غرض یہ کہ وہ کمان چبانے لگا۔ ذراسی کمان چبانے سے اس کا چلّہ کٹ گیا۔ چونکہ کمان بے حد سخت تھی لہذا اُس کے دونوں کونے بھیڑیئے کے پیٹ میں گھس گئے اور اس کی آنتیں باہر نکل آئیں اور بھیڑیا بھی اسی جگہ ہلاک ہوگیا۔

---

# 37

# چار یار

ایک دن ایک کوا، ایک کچھوا اور ایک چوہا جو آپس میں بہت دوست تھے، ایک تالاب کے کنارے محوگفتگو تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک ہرن دُور سے دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ شاید کوئی شکاری اُس کا پیچھا کررہا تھا۔ کچھوے نے فوراً پانی میں ڈُبکی لگائی اور کوا درخت پر جابیٹھا اور چوہا اپنے بل میں چھپ گیا۔ ہرن پانی کے قریب آکر کھڑا ہوا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ کوّے نے درخت پر سے اِدھر اُدھر نگاہ ڈالی۔ جب دیکھا کہ ہرن کے پیچھے کوئی نہیں آرہا ہے تو اُس نے اپنے دوستوں کو آواز دی۔ کچھوا پانی سے اور چوہا بل سے باہر آیا۔ کچھوے نے دیکھا کہ ہرن اس پانی کو دیکھتا ہے مگر پیتا نہیں ہے تو اُس نے ہرن کو تسلی دی اور اُس سے حال دریافت کیا اور کہا کہ "خوف نہ کرو۔" ہرن نے ماجرا سنایا۔

"اکثر شکاری میری فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اس لیے ذرا سی آہٹ پاکر بھاگ جاتا ہوں۔ آج ایک بوڑھا میرے پکڑنے کی فکر میں تھا اور اس کے خوف سے بھاگا اور یہاں تک پہنچا۔"

کچھوے نے کہا — "اب ہرگز خوف نہ کرو۔ یہاں کوئی شکاری نہیں آسکتا۔ اگر تم چاہو تو ہمارے دوست بن جاؤ۔ ہم تین ہیں تم آؤ تو چار ہو جائیں گے۔"

اُس کے بعد کوّا اور چوہا بھی ہرن سے محبت سے پیش آئے۔ ہرن نے اُن کی دوستی قبول کی اور یہیں رہنے لگا۔ دوستوں نے اُسے نصیحت کی کہ "اس چراگاہ سے باہر قدم نہ رکھنا اور اس تالاب کے علاوہ کوئی جگہ محفوظ نہیں ہے۔" ہرن نے اُن کی بات مان لی اور سب ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی، زندگی گزارنے لگے۔ ایک روز حسبِ معمول سب ایک جگہ جمع ہوئے مگر ہرن کو نہ پاکر بے چین ہو گئے۔ کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر انھیں فکر ہوئی۔ کوّے سے کہا کہ جلدی سے اُڑ کے جاؤ اور دیکھو کہ ہرن کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ اور وہ کدھر گیا ہے؟ کوّا تھوڑی ہی دیر میں خبر لایا کہ ہرن ایک شکاری کے جال میں پھنس گیا ہے۔ کچھوے نے چوہے سے کہا کہ اس حادثے میں تیرے سوا کوئی ہرن کی مشکل آسان نہیں کرسکتا۔ جلدی کرو کہ وقت کم ہے۔"

کوّے نے چوہے کی رہنمائی کی اور چوہا ہرن کے پاس پہنچا اور جلدی جلدی جال کے پھندے کترنا شروع کیے۔ اس دوران کچھوا بھی آہستہ آہستہ وہاں تک آپہنچا اور افسوس کرنے لگا۔ ہرن نے کہا۔" دوست! تمہارا یہاں آنا اس حادثے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔کیونکہ چوہا اگر میرے پھندے کتر دے اور اتنے میں شکاری آپہنچے تو میں چھلانگ لگاکر بھاگ سکتا ہوں کوّا بھی اُڑ سکتا ہے اور چوہا بھی اپنے بل میں جا سکتا ہے۔ مگر تم نہ بھاگ سکتے ہو اور نہ اُڑ سکتے ہو۔ یہ تم نے کیا کیا اور تم یہاں کیوں چلے آئے؟"

کچھوے نے کہا۔۔۔ " میں تمہارا دوست ہوں اور یہ دوستی سے بعید ہے کہ ایک دوست مصیبت میں گرفتار ہو اور دوسرا دوست جان کر بھی خاموش بیٹھا رہے۔ اگر تمہارے جیسے دوست کے لیے جان بھی جائے تو خوشی ہوگی۔"

اتنے میں شکاری آگیا۔ چوہا سب بند کاٹ چکا تھا۔ ہرن نے فوراً جست لگائی۔ کوّا اُڑا اور چوہا بل میں جا چھپا۔مگر کچھوا اسی جگہ رہ گیا۔۔۔ شکاری کو بڑا افسوس ہوا۔ وہ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا کہ یہ حرکت کس کی ہے؟ اچانک اُس کی نظر کچھوے پر پڑی۔ اسی کو پکڑ کر تھیلے میں بند کیا۔پیٹھ پر لادا اور گھر کی طرف روانہ ہوا۔

اس کے جانے کے بعد تینوں دوست جمع ہوئے۔ معلوم ہوا کہ شکاری کچھوے کو باندھ کر لے گیا۔ بہت غم گین ہوئے اور رونے دھونے لگے۔ کوّے نے کہا— "اس طرح رونے دھونے سے کچھ نہ ہوگا۔ اب کچھوے کے لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیئے۔"

چوہے نے کہا— "اے ہرن! میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے کہ تو شکاری کے قریب جاکے اس طرح لنگڑا کے چل کہ وہ سمجھے کہ تو زخمی ہے اور کوّا تیری پیٹھ پر بیٹھ کر چلاّئے جیسا کہ زخمیوں کے ساتھ کوّے کرتے ہیں۔ جب شکاری کی نظر تجھ پر پڑے گی تو وہ سمجھے گا کہ یہ زخمی ہے۔ وہ تھیلا پیٹھ سے اُتار کر رکھ دے گا اور تیرا پیچھا کرے گا۔ جب نزدیک آ جائے تو اس وقت لنگڑاتے ہوئے اتنا آہستہ چل کہ وہ تجھ تک پہنچ نہ پائے اور اتنا تیز بھی مت بھاگ کہ وہ نااُمید ہو جائے۔ جب وہ یوں ہی تیرا پیچھا کرتا ہوا دُور نکل جاتے تو اس دوران میں تھیلے کو کاٹ کے کچھوے کو آزاد کرکے کسی غار میں چھپا دوں گا۔"

سب نے اس ترکیب کو پسند کیا۔ ہرن اور کوّا اسی انداز میں شکاری کے سامنے آئے۔ شکاری کو یقین ہوگیا کہ ہرن زخمی ہے۔ اسی لیے کوّا اس پر منڈلا رہا ہے۔ "اب میں اس ہرن کو پکڑ سکتا ہوں۔" فوراً تھیلا پیٹھ سے اُتار کر زمین پر رکھا اور ہرن کا پیچھا کرنے لگا۔ چوہے نے فوراً تھیلے کے

بند کاٹ کر کچھوے کو آزاد کردیا اور ایک محفوظ جگہ میں چھپا دیا۔ جب کچھ دیر ہوگئی اور شکاری ہرن کو پکڑ نہ سکا تو مایوس ہوکر تھیلے کی طرف لوٹا۔ یہاں تھیلا کٹا ہوا پڑا تھا اور کچھوا بھی غائب تھا۔ بہت حیران ہوا کہ پہلے تو کسی نے ہرن کا جال کاٹا اور پھر زخمی ہرن بھی اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ پھر تھیلا کاٹ کے کچھوا بھی غائب ہوگیا۔ خوف زدہ ہوکر ایسا بھاگا کہ دوبارہ اس جگہ قدم نہ رکھا۔

جب گھر پہنچا تو دوستوں کو یہ واقعہ سنایا اور مبالغہ کرتے ہوئے بولا "کہ کوئی اس طرف نہ جائے"۔ اس طرح پھر اس جنگل میں کوئی شکاری نہ گیا اور چاروں دوست مزے سے رہنے لگے۔

---

# 38

# چاند کا سفر

ایک بار ہاتھیوں کی سلطنت میں زبردست قحط پڑا۔ یہاں تک کہ وہ پانی کے ایک قطرے کے لیے ترس گئے۔ تمام ہاتھی پیاس سے تڑپتے ہوئے بادشاہ کے پاس فریاد لے کر آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ " جلد از جلد چاروں طرف کارندے بھیجے جائیں۔ اور جہاں شادابی اور پانی ہو، وہاں کی خبر لائیں "۔ کچھ ہاتھی اس ملک کے چاروں طرف چشمے کی تلاش میں نکلے اور ایک چشمے پر پہنچے جو " چاند کا چشمہ " کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں ایک گہرا کنواں تھا جس میں بے انتہا پانی تھا۔ ہاتھیوں کا بادشاہ اپنے تمام لشکر اور شان و شوکت کے ساتھ اس چشمے کا پانی پینے کے لیے روانہ ہوا۔ اس چشمے کے کنارے چند خرگوش رہتے تھے۔ جنھیں ہاتھیوں سے بڑی تکلیف پہنچتی تھی۔ کیونکہ وہ اکثر ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلے جاتے تھے۔

جب خرگوشوں کو یہ خبر ملی تو وہ سب مل کر اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور کہا ــ " ایک عادل بادشاہ مظلوموں کی داد رسی کرتا ہے ، اور اُن کی فریاد سُنتا ہے ، نہ کہ عیش و عشرت میں مصروف رہتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپ ہماری فریاد سنیں اور انصاف کریں۔ کیونکہ ہماری قوم میں بہت سے مارے گئے اور جو بچ گئے ہیں، اُن میں سے کچھ زخمی اور کچلے ہوئے ہیں، اور ان میں سے بھی جو بچ گئے ہیں، وہ موت کے خوف سے ہراساں ہیں ۔"

بادشاہ نے کہا ــ " یہ بات معمولی نہیں کہ بس سُنا اور فیصلہ دے دیا۔ اس پر غور کرنا ضروری ہے۔ تم میں سے جو عقل مند ہے وہ میرے پاس آئے اور فیصلہ دے۔ کیونکہ ایسے معاملات میں بغیر مشورے کے حکم کرنا بے وقوفی ہے۔"

خرگوشوں میں ایک بے حد عقل مند تھا۔ اُسے بہزور کہتے تھے۔ سب خرگوش اُس کی عقلمندی کی تعریف کرتے تھے۔ اُس نے کھڑے ہوکر کہا ــ " اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اپنے سفیر کے طور پر ہاتھیوں کے بادشاہ کے پاس بھیجیں اور ایک گواہ ساتھ کیجیے تاکہ میں جو کچھ کہوں اور کروں اُسے دیکھے اور سنے۔"

بادشاہ نے کہا ــ " مجھے تمہاری یہ رائے پسند آئی اور مجھے تم پر

اعتماد ہے ۔ تمہارے لیے کسی گواہ کی ضرورت نہیں ۔ تم فوراً جاؤ اور جو مناسب سمجھو کرو، کیونکہ سفیر بادشاہ کی زبان ہوتا ہے اور اُس کی گفتار اور کردار سے بادشاہ کے کردار اور گفتار کا اندازہ ہوتا ہے۔"

بہزور نے کہا ـــ " جہاں پناہ ! حالانکہ میں اس فن سے واقف ہوں۔ پھر بھی اگر آپ اپنے تجربے اور عقل سے کچھ بتانا چاہیں تو میں سننے کو تیّار ہوں ـــ"

بادشاہ نے کہا ـــ بہترین طریقہ یہ ہے کہ سفیر کی زبان تلوار کی طرح تیز ہونی چاہیئے لیکن اُس کی خوبی ملائمت اور نرمی ہے۔ ہر بات جو دوسری جانب سے سختی سے کی جائے، اُس کا جواب نرمی سے دیا جائے اور اِس پر بھی سامنے والا اگر نرمی نہ برتے تو پھر نرمی کے پردے میں ایسی تیزی دکھائی جائے کہ وہ خوف زدہ ہو جائے اور اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص کسی قسم کی دشمنی نہیں رکھتا لیکن دشمن کا جواب دینے میں ماہر ہے۔"

بہزور بادشاہ کی خدمت بجالایا اور دربار سے نکل آیا۔ وہ رات ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ جب اندھیرا بڑھنے لگا اور چاند طلوع ہوا تو چاندنی ہر طرف پھیلنے لگی تو وہ ہاتھیوں کے جزیرے میں گیا اور یہ سوچ کر خوف زدہ ہوا کہ ان ظالموں سے میری جان کو خطرہ ہے ۔ حالانکہ وہ لوگ اس کا ارادہ نہیں رکھتے ۔ پھر بھی دُور اندیشی اسی میں ہے کہ میں ظالموں اور

قاتلوں سے ملاقات نہ کروں۔ کیونکہ میرے ہزاروں بھائی اُن کے قدموں تلے کُچلے جا چکے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ میں اُونچائی پر جاؤں اور وہاں سے اپنا پیغام سناؤں تاکہ اگر اُنہیں قبول ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے اور اگر قبول نہ ہو تو کم ازکم میری جان تو سلامت رہے گی۔"

بہزور نے ٹیلے پر سے ہاتھیوں کے بادشاہ کو آواز دی اور کہا ــــ

"میں چاند بادشاہ کا سفیر ہوں اور اس کا پیغام سنانے آیا ہوں۔ شاید میری بات تمہیں ناگوار گزرے مگر میں مجبور ہوں۔ کیونکہ بادشاہ نے جو پیغام بھجوایا ہے میں اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرسکتا۔ تم جانتے ہو کہ چاند اندھیروں کا شہنشاہ ہے اور دن کے بادشاہ کا وزیر۔ اگر کوئی اس کے خلاف جائے گا اور اُس کی بات نہیں سنے گا تو اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارے گا اور خود ہی اپنی ہلاکت کا سبب بنے گا۔"

یہ سُن کر ہاتھیوں کا بادشاہ باہر آیا اور کہا ــ

"بتاؤ کیا پیغام ہے؟"

بہزور نے کہا ــ "بادشاہ چاند کہتا ہے کہ جو کوئی اپنی شان وشوکت پر اِتراتا ہے اور اپنی طاقت اور توانائی کا غرور کرتا ہے۔ کمزوروں کو اپنے پاؤں تلے روند کر خوش ہوتا ہے، وہ دراصل خود اپنی موت کا سبب بنتا ہے کیونکہ اپنے غرور اور طاقت کے زعم میں ایک دن وہ خود ہلاک ہوگا

وہ کون گستاخ ہے جو یہاں تک آگے بڑھ آیا ہے کہ اب ہمارے چشمے کا ارادہ کیا ہے اور اپنا لشکر وہاں لے آیا ہے اور اس کے پانی کو گندہ کردیا ہے۔ اگر وہ تم ہی ہو تو سُن لو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تیز رفتار عقاب بھی ہمارے چشمے پر منڈلاتا ہے تو اُس کے پر بھی جل جاتے ہیں۔ تمہاری کیا حیثیت ہے۔ میں نہایت نرمی سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز آؤ گے تو آرام سے رہو گے اور اگر ایسا نہ کیا تو میں خود وہاں آرہا ہوں تاکہ تمہیں ہلاک کروں۔ اگر تمہیں اس دھمکی پر یقین نہ ہو تو آؤ اور دیکھ لو کہ میں چشمے میں موجود ہوں۔ مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھو اور پھر اس چشمے کے پاس بیٹھو تاکہ تمہیں اپنا انجام معلوم ہوسکے۔"

ہاتھیوں کے بادشاہ کو یہ بات عجیب سی لگی۔ فوراً وہ چشمے کے پاس آگیا اور پانی میں جھانکا۔ وہاں چاند کا عکس موجود ہے۔

بہزور نے کہا —— "ذرا سا پانی لے کر وضو کرو اور سجدۂ شکر ادا کرو کہ بادشاہ چاند نے تم پر رحم کیا ہے اور تم سے راضی ہے۔"

ہاتھیوں کے بادشاہ نے سُونڈ اُٹھائی اور جیسے ہی اُس کی سونڈ پانی میں ڈوبی، پانی میں ایک حرکت سی ہوئی۔ چاند کا عکس ہلا اور اسے ایسا لگا جیسے چاند حرکت کررہا ہے اور اُس کی طرف آرہا ہے۔ فوراً چلّایا —

" اے چاند کے سفیر! تمہارا بادشاہ شاید میری اس حرکت سے ناراض

ہوگیا ہے اور اب مجھے ہلاک کرنے کے لیے اُس طرف آرہا ہے۔"

بہزور نے کہا ـــ " ہاں جلدی سے سجدہ کرو تاکہ اس کا غصّہ کم ہو۔"

ہاتھی نے فوراً سجدہ کیا اور قبول کیا کہ اس کے بعد پھر یہاں کبھی نہیں آئے گا اور نہ ہی اپنے لشکر کو یہاں لائے گا۔"

بہزور اپنے بادشاہ کے پاس گیا اور اُسے یہ خبر دی ۔ اس طرح تمام خرگوش محفوظ ہوگئے اور آرام سے رہنے لگے۔

---

# 39

# خالہ بلّی کا فیصلہ

کسی پہاڑ کے دامن میں ایک کوّے کا گھونسلہ تھا اور اُس کے پڑوس میں ایک فاختہ رہتی تھی۔ دونوں میں بے انتہا دوستی اور محبت تھی۔ اچانک ایک دن فاختہ کہیں غائب ہوگئی اور لاکھ ڈھونڈنے پر بھی نہ مل سکی۔ کوّے نے سمجھا کہ وہ مرگئی۔ کچھ دنوں بعد ایک چڑیا آئی اور وہاں گھونسلا بناکر رہنے لگی۔ کوے نے بھی یہ سوچ کر کہ اُس کی دوست فاختہ مرگئی ہے، چڑیا سے کچھ نہ کہا۔ کچھ دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن اچانک فاختہ لوٹ آئی اور جب اُس نے چڑیا کو اپنے گھونسلے میں رہتے ہوئے دیکھا تو جھگڑنے لگی اور چڑیا سے کہا—

"میرا گھر خالی کرو۔"

چڑیا نے کہا— "آپ اس گھر پر میرا قبضہ ہے۔ لہٰذا یہ گھر میرا ہے۔"

دونوں میں اچھی خاصی لڑائی چھڑ گئی اور ہر لمحہ بڑھتی چلی گئی ۔ کوّے بھی نے ہر ممکن طریقے سے ان دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن کچھ نہ ہوا ۔ آخرانھوں نے یہ طے کیا کہ کسی عادل شخص کے پاس جاکر فیصلہ کرایا جائے ۔ وہ دونوں کا بیان سنے اور انصاف کے مطابق فیصلہ دے ۔

فاختہ نے کہا ـــــ " قریب ہی ایک بلّی رہتی ہے جو حال ہی میں حج کر کے آئی ہے ۔ بڑی متقی اور پرہیزگار ہے ۔ دن میں روزہ رکھتی ہے اور رات میں خدا کی عبادت کرتی ہے اور محض گھاس پھوس اور پانی سے افطار کرتی ہے ۔ کیونکہ جانوروں کو تکلیف پہنچانا یا اُن کا خون بہانا گناہ سمجھتی ہے ۔ اس سے بہتر کوئی اور ہمارا فیصلہ نہیں کرسکتا ۔ ہمیں اس کے پاس چلنا چاہیئے ۔"

دونوں راضی ہو گئے اور اس کے گھر کی طرف چلے ۔ کوّا بھی اُن کا حال دیکھنے اور روزہ دار حجن بی کی زیارت کرنے کی غرض سے اُن کے پیچھے پیچھے چلا ۔ جیسے ہی بلّی کی نظر ان دونوں پر پڑی ، اپنے سیدھے پاؤں پر کھڑی ہوگئی ۔ محراب کا رُخ کیا ۔ سر پہ دوپٹہ باندھا اور نماز پڑھنے لگی اور دیر تک نماز پڑھتی رہی ۔ چڑیا اُس کے کردار سے بڑی حیران اور فاختہ متاثر ہوئی ۔ جب وہ نماز پڑھ چکی تو دونوں نے اس سے التجا کی کہ " خالہ بلّی ! ہم بڑی دُور سے آپ کی پرہیزگاری کا چرچا سُن کے یہاں آئے ہیں ۔ ہمارے جھگڑے کو ختم کیجیئے اور ہمارا فیصلہ کیجیے ۔"

بلّی نے بڑی مکّاری سے کہا کہ دونوں اپنا اپنا حال بیان کریں۔ چڑیا اور فاختہ دونوں نے اپنا اپنا دعویٰ ثابت کیا۔ بلی نے کہا۔۔۔ "بچو! میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے میرے حواس کمزور ہو گئے ہیں۔ دُور سے نہ مجھے کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ سُنائی دیتا ہے۔ ذرا میرے قریب آؤ اور اُونچی آواز میں بولو تاکہ میں تمہارا فیصلہ کر سکوں، ورنہ مجھے معاف رکھو۔"

چڑیا اور فاختہ نے کہا۔۔۔ "لوگوں کی حاجت روائی سے خدا خوش ہوتا ہے اور یہ بھی ایک عبادت ہے۔"

بلّی بولی۔۔۔ "واقعی تم نے ایسی دلیل پیش کی ہے کہ اب مجھے لامحالہ تمہارا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ میرے قریب آ کے اپنا حال سُناؤ۔" دونوں اِس سے اتنا متاثر ہوئے کہ بے خوف و خطر بلّی کے نزدیک آ بیٹھے۔ جیسے ہی وہ قریب آئے۔ بلّی نے ایک جھپٹّا مار کر دونوں کو پکڑ لیا اور چٹ کر گئی۔

---

# 40

# کتا یا بکری

ایک دیہاتی پالنے کی غرض سے ایک بکری خرید کر اپنے گاؤں جا رہا تھا۔ اچانک چند ٹھگوں کی نظر اس پر پڑ گئی۔ انھوں نے سوچا کہ کسی طرح اُسے دھوکا دے کر یہ بکری حاصل کی جائے۔ ایک دوسرے سے صلاح کرکے وہ لوگ بیچ راستے میں کھڑے ہو گئے۔ جب دیہاتی نزدیک آیا تو اُن میں سے ایک بولا ــــ

" السلام علیکم چچا! کیا شکار کا ارادہ ہے جو اس کُتّے کو ساتھ لے لیا ہے؟"

دوسرے نے طعنہ دیا ــــ "کمال ہے! اتنے نمازی اور پرہیزگار ہونے کے باوجود بھی آپ نے کُتّے کو ہاتھ میں لیا ہے۔ جبکہ یہ بڑا نجس جانور ہے۔"

تیسرے نے کہا ــــ "کچھ بھی ہو۔ یہ کُتّا ہے بہت خوبصورت۔ اسی

لیے اُس نے میری نظر بندی کی تاکہ وہ مجھے بکری دکھائی دے۔ اس خیال کے آتے ہی دیہاتی نے ٹھگوں سے کہا۔" اتنی مہربانی کرو کہ اسے پکڑ رہو تاکہ میں اس کے بیچنے والے کو دوڑ کے پکڑ لاؤں اور کتے کو اُس کے حوالے کر کے اپنے پیسے واپس لوں۔"

ٹھگوں نے قبول کرلیا۔ جیسے ہی دیہاتی بیچنے والے کی تلاش میں دوڑا، ایک ٹھگ بکری کو لے کر فرار ہوگیا۔ دیہاتی بکری بیچنے والے کو ساتھ لایا اور ٹھگوں سے پوچھا کہ" وہ کُتا کہاں ہے۔ جسے اُس نے بکری بنا کے مجھے بیچا ہے۔" چچا میاں آپ کے جانے کے بعد وہ کُتا ہمیں کاٹنے دوڑا تو ہم نے ڈر کے مارے اُسے چھوڑ دیا۔

دیہاتی بہت غصہ ہوا اور کافی بحث کی۔ مگر اُس کی بکری نہ ملی اور بیچنے والے نے اُس کی قیمت بھی نہ لوٹائی۔ آخر ناچار ہوکر دیہاتی نے خالی ہاتھ اپنے گھر کی راہ لی۔

41

# چور اور شیطان

ایک متقی اور پرہیزگار شخص بغداد کے ایک گاؤں میں رہتا تھا اور صبح شام عبادت میں گزارتا تھا۔ اسے دنیاوی لالچ ذرا بھی نہ تھا اور روکھی سوکھی کھا کے گزارتا تھا — ایک دن اس کے ایک مرید کو جب زاہد کے فقر و فاقہ کی خبر ملی تو اُس نے عقیدت اور محبت میں ڈوب کر ایک بھینس اُسے تحفے میں دی تاکہ اس کے دُودھ اور گھی سے زاہد کی گذر اوقات ہو سکے۔ ایک چور اس بات کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے دل میں لالچ ہوا کہ بھینس کو چرایا جائے۔ لہٰذا وہ زاہد کی خانقاہ کی طرف روانہ ہوا۔ شیطان بھی آدمی کی صورت میں اس کے ساتھ ہو لیا

چور نے پوچھا — "تو کون ہے؟ اور کہاں جا رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا — "میں شیطان ہوں اور آدمی کی شکل میں آیا

ہوں تاکہ خانقاہِ زاہد کو جاؤں کیونکہ بہت سے لوگ اس کے تقویٰ اور عبادت سے متاثر ہوکر برائیوں سے توبہ کرکے نیکی کی طرف راغب ہو گئے ہیں اور میرا کاروبار گھاٹے میں پڑگیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ فرصت پاتے ہی اُسے قتل کروں۔ اب یہ بتا کہ تو کون ہے اور تیرا کیا حال ہے؟"

چور نے کہا— میں ایک مکار چور ہوں اور دن رات اس فکر میں رہتا ہوں کہ کس طرح دوسروں کا مال حاصل کروں۔ ابھی میں زاہد کے یہاں اس لیے جارہا ہوں کہ زاہد کے پاس ایک موٹی تازی بھینس ہے۔ اس کو چُراؤں اور اپنا خرچ چلاؤں"۔ شیطان نے کہا— چلو ہم دونوں دوست نکلے۔ کیونکہ ہم دونوں کا کام ایک ہی شخص سے ہے۔"

دونوں زاہد کی خانقاہ کی طرف چل پڑے۔ جب وہاں پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور زاہد عبادت میں مشغول تھا۔ دونوں موقع کی تلاش میں تھے کہ جانماز پر بیٹھے بیٹھے اُس کی آنکھ لگ گئی۔ چور نے سوچا کہ " اگر شیطان اُسے مارنے کا ارادہ کرے گا تو ممکن ہے کہ وہ بھاگ جائے اور چلّائے اور اُس کے پڑوسیوں کو اس کی خبر ہوجائے اور اس طرح میں بھینس چُرانے میں ناکام ہو جاؤں۔"

شیطان نے دل میں سوچا کہ " اگر چور بھینس چُرائے گا تو اُسے لے جانے کے لیے دروازہ کھولے گا اور ممکن ہے دروازہ کھُلنے کی آواز سے

زاہد جاگ جائے اور اُس کے قتل کرنے میں مجھے ناکامی ہو" لہٰذا اُس نے چور سے کہا۔

"تو تھوڑی دیر ٹھہر اور مجھے موقع دے کہ میں زاہد کو قتل کروں پھر تو بھینس چرا لینا۔"

چور نے کہا ـــــ "تو ٹھہر تاکہ میں بھینس چرا سکوں، پھر تو اُسے قتل کر دینا۔"

دونوں ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگے۔ آخر دونوں میں زوردار لڑائی ہو گئی۔ چور نے غصّہ ہو کر زاہد کو پکارا۔

"ہوشیار یہاں شیطان ہے جو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے۔"

شیطان نے بھی آواز دی،

"خبردار! یہاں ایک چور ہے جو تمہاری بھینس چُرانا چاہتا ہے۔" زاہد اُن کی لڑائی سُن کر جاگ گیا اور چلّانے لگا۔ پڑوسی اُس کی مدد کے لیے آ گئے اور چور اور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے اور زاہد کا مال اور جان دونوں دشمنوں سے محفوظ ہو گئے۔

---

# 42

# میمون کی قربانی

بندروں کی ایک ٹولی ایک جزیرے میں رہتی تھی۔ جہاں پھل پھول کثرت سے تھے اور وہاں کی آب و ہوا بندروں کے مزاج کے موافق تھی۔ ایک روز اُن میں سے کچھ بزرگ بندر ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول تھے کہ اچانک ایک ریچھ وہاں سے گزرا۔ بندر بے حد خوف زدہ ہو گئے۔ ریچھ نے دل میں سوچا کہ "یہ کتنی غلط بات ہے کہ میں پہاڑوں کے درمیان ایک تنگ کھوہ میں گزر کرتا ہوں اور بڑی محنت سے گھاس پھوس حاصل کرتا ہوں اور یہ بندر اس جگہ بڑے مزے سے تازہ پھل پھول کھاتے ہیں اور اس نرم سبزہ پر آرام کرتے ہیں۔"

یہ سوچ کر ریچھ نے بندروں کے درمیان آ کر انھیں پریشان

کرنا شروع کیا۔ تمام بندر چیختے چلاّتے نکل آئے اور ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے اور کچھ نہ بن پڑا تو ریچھ کو کاٹ کاٹ کر زخمی کر دیا۔ ریچھ بڑی مشکل سے وہاں سے جان بچا کر بھاگا اور پہاڑوں میں جا چھپا۔ جب ذرا سانس دُرست ہوئی تو چلاّ چلاّ کر اپنے ساتھیوں کو جمع کیا۔ انھوں نے اُس کی حالت کو دیکھ کر پوچھا۔

"تمہاری یہ دُرگت کس نے بنائی ہے؟"

ریچھ نے سارا واقعہ سنایا اور کہا۔

"کتنی شرم اور بے عزّتی کی بات ہے کہ ریچھ جیسی بہادر قوم بندروں جیسی کمزور قوم کے ہاتھوں یوں تکلیف اُٹھائے۔ ہمیں اس کا انتقام ضرور لینا چاہیئے۔ میرا مشورہ ہے کہ ہم سب مل کر رات میں اُن پر حملہ کریں۔ اور انھیں موت کے گھاٹ اُتار دیں۔" تمام ریچھ راضی ہو گئے۔

اتفاق سے اسی رات بندروں کا بادشاہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شکار پر گیا ہوا تھا اور اس جزیرے میں بہت تھوڑے سے بندر بچے تھے جو آرام کر رہے تھے۔ ریچھوں نے انھیں پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے بہت سے بندر مارے گئے اور کچھ زخمی حالت میں وہاں سے بھاگ گئے۔ جب ریچھوں نے جزیرے کو دشمنوں سے خالی پایا تو وہاں رہنے لگے اور ظالم ریچھ کو اپنا سردار بنالیا۔ بندروں کا جمع کیا ہوا سارا میوہ

چند ہی دنوں میں ختم کر ڈالا۔

بندروں کا بادشاہ جب واپس لوٹا تو اُسے راستے میں چند زخمی بندر ملے۔ انھوں نے بادشاہ سے سارا حال کہہ ڈالا اور انصاف طلب کیا۔ بادشاہ کو یہ سُن کر بے حد تعجب ہوا۔ اور افسوس ہوا۔ باقی تمام بندر بھی بادشاہ کے ساتھ رونے دھونے لگے۔ ان میں ایک بندر جس کا نام میموؔن تھا جو بڑا ہی عقل مند اور چالاک تھا اور اسی وجہ سے سب اُس کا احترام کرتے تھے اور بادشاہ بھی اس سے مشورہ لیتا تھا۔ جب میموؔن نے بادشاہ کی یہ حالت دیکھی تو اُسے نصیحت کی کہ "مصیبت میں رونا دھونا بیکار ہے۔ ایسی حالت میں ہمت سے کام لینا چاہیئے اور کوئی تدبیر کرنا چاہیئے ــــ"

بندروں کے بادشاہ کو میموؔن کی بات سے تسلّی ہوئی۔ اُس نے پوچھا، کہ اب اس کا کیا علاج کیا جائے۔ میموؔن نے کہا۔

" میرے بیٹے اور عزیز رشتہ دار بھی ان ظالموں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں اور میں اس کا بدلہ اُن سے ضرور لوں گا اور ایسا انتقام لوں گا کہ اس کے لیے میری جان بھی چلی جائے تو مجھے غم نہ ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی قوم کو ان ظالموں سے نجات دلا کر رہوں گا۔"

بادشاہ نے کہا ــــ " اچھا بتاؤ کیا تدبیر سوچی ہے؟"

میمون نے کہا۔" میں نے ایک تدبیر سوچی ہے کہ کسی طرح بہلا پھسلا کر انھیں ایک گرم ریگستان میں لے جاؤں۔ جہاں سوائے لُو کے اور کچھ نہ ہو۔ پانی کا ایک قطرہ بھی نہ ملے۔ تاکہ وہ سب تڑپ تڑپ کر جان دے دیں۔ کیونکہ ریچھ گرمی برداشت نہیں کر سکتے۔"

بادشاہ نے کہا۔" مگر یہ کیسے ہوگا؟"

میمون نے کہا۔" یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ صرف آپ بندروں کو حکم دیں کہ وہ میرے دونوں کان نوچ ڈالیں اور میرے ہاتھ پاؤں توڑ کے مجھے اپنے جزیرے کے قریب پھینک دیں اور خود اِدھر اُدھر چھُپ جائیں۔ دو تین روز تک انتظار کریں۔ تیسرے روز بے دھڑک اس جزیرے میں آئیں۔ کیونکہ ریچھوں میں سے ایک بھی زندہ سلامت نہ بچے گا۔"

بادشاہ نے کہا۔" مجھے تمہارے ساتھ یہ سلوک پسند نہیں"۔

میمون نے کہا۔" یہ وقت ان سب باتوں کے سوچنے کا نہیں۔ اگر میں اپنی جان کی قربانی دے کر اپنی قوم کو بچا سکوں تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔"

بادشاہ کے حکم کے مطابق بندروں نے میمون کے کان نوچ کر ہاتھ پاؤں توڑ کر اُسے جزیرے میں پھینک دیا اور خود اِدھر اُدھر چھپ گئے۔

تمام رات میمون درد کے مارے زور زور سے چیختا چلاتا رہا۔ صبح کو ریچھوں کا بادشاہ اُس کی آواز سُن کر اِدھر آیا اور ایک زخمی اور خستہ حال بندر کو دیکھا تو اُس سے اس کا حال پوچھا۔ میمون نے کہا۔

" حضور کا اقبال بلند ہو۔ میں بندروں کے بادشاہ کا وزیر ہوں۔ جس روز آپ نے اس جزیرے پر قبضہ کیا۔ اس روز میں بھی اتفاق سے بادشاہ کے ہمراہ شکار کو گیا تھا۔ دوسرے دن جب ہم یہاں پہنچے اور ہمارے بچے کھچے ساتھیوں نے آپ کے حملے کا حال سنایا تو بادشاہ نے اس معاملے میں مجھ سے مشورہ طلب کیا۔ میں نے بھلائی کے لیے کہا کہ پہلے تو ہماری غلطی ہے کہ ہم نے اپنے سے بہتر اور بڑے جانور کو ذلیل کیا، اور اسی لیے یہ سزا پائی۔ اب بہتر یہی ہے کہ اُن سے معافی مانگو اور زندگی بھر اُن کی خدمت کرتے رہو۔ کیونکہ ریچھ ایک بہادر قوم ہے اور اُن کا بادشاہ بڑا دلیر ہے۔ یہ سنتے ہی ہمارے بادشاہ کو غصّہ آگیا اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگا کہ وہ آپ کا نام و نشان تک مٹا دے گا۔ میں نے دوسری بار پھر منع کیا تو حکم دیا کہ اس کے کان کاٹ کے اور ہاتھ پاؤں توڑ کے اسے اسی جزیرے میں پھینک دوں۔ جن کا یہ طرف دار ہے وہیں جائے۔ میں نے بہت ہاتھ پاؤں جوڑے، مگر بادشاہ نہ مانا اور کہا کہ جا وہیں چلا جا۔ غرض اس طرح میرا یہ حال ہوا ہے۔"

یہ سن کر ریچھوں کے بادشاہ کو غصّہ آگیا اور کہا۔
" بتاؤ بندروں کا وہ لشکر اب کہاں ہے ؟ میں اُن کی اچھی خبر لوں گا۔"

میمون نے کہا۔" انھوں نے ایک جنگل میں پناہ لی ہے اور وہاں ہر طرف سے لشکر جمع کر رہے ہیں اور آپ پر حملہ کرنے کی تیاری میں ہیں۔ میں وہاں آپ کو ضرور لے جاتا مگر کیا کروں، چلنے پھرنے سے مجبور ہوں۔"

بادشاہ نے کہا۔ میں جانتا ہوں۔ تم صرف اُن کا پتہ بتادو۔ میں اپنا لشکر وہاں بھیج دوں گا۔"

میمون نے کہا۔ ایسے وہاں پہنچنا بہت مشکل ہے۔ میرا ساتھ ہونا بہت ضروری ہے، مگر میں چل پھر نہیں سکتا۔"

بادشاہ نے کہا۔" اس کا انتظام میں کرتا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔"

پس آدھی رات کو ایک ریچھ کی پیٹھ پر بیٹھ کر ریچھوں کا بادشاہ اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ چل پڑا۔ تمام رات وہ اس خوفناک جنگل میں پھرتے رہے۔ آخر میمون انھیں وہاں لے آیا، جہاں صرف گرم ہوا تھی اور ریت تھی۔ پانی کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا اور کوئی جاندار دِکھائی نہ دیتا تھا۔ میمون نے کہا۔"سورج نکلنے سے پہلے ان بندروں کا کام تمام کردو۔" لہٰذا تمام ریچھ جلدی سے اس میدان میں کُود پڑے اور آگے بڑھنے

لگے ۔ میمون اُن کی ہمت بڑھاتا رہا۔ " جلدی کرو، جلدی پہنچو"
یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور تمام ریچھ بیچ میدان تک پہنچ گئے ۔ میمون اُنھیں باتوں میں لگائے آگے بڑھاتا رہا۔ سورج سر پر آگیا اور ایسی گرم لو چلنا شروع ہوئی کہ اس سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی ۔ تمام ریچھ گرمی سے تڑپنے لگے ۔ ریچھوں کے بادشاہ نے میمون سے پوچھا کہ بندر کہاں ہیں ؟ اور یہ کون سا جنگل ہے جو اتنا خوفناک ہے ؟ اور یہ کیسی آگ ہے جو بڑھتی ہی جارہی ہے ؟"

میمون نے کہا ــــ " اے ظالم بادشاہ ! یہ موت کا میدان ہے اور یہ آگ موت کا پیغام ہے۔ اب اطمینان رکھو کہ تم میں سے ایک بھی بچنے والا نہیں ۔"

ابھی اس کی بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ گرم ہوا کا ایک زہریلا جھونکا ایسا آیا کہ تمام ریچھ اور خود میمون بھی جل کر خاک ہوگیا۔

تیسرے دن بندروں کا بادشاہ اپنے لشکر اور تمام ساتھیوں کے ساتھ پھر اس جزیرے میں داخل ہوا اور اپنے پُرانے ٹھکانے کو دشمن سے خالی پایا۔ سب وہاں پھر عیش و آرام سے رہنے لگے۔ اس طرح میمون نے اپنی قربانی دے کر اپنی ساری قوم کو بچالیا۔

---

# 43

# دھوبی کا گدھا

ایک شیر خارش کے مرض میں مبتلا تھا اور علاج کے باوجود مستقل کھجلی سے بیزار تھا اور روز بروز کمزور ہوتا جارہا تھا۔ یہاں تک اُس کی طاقت بالکل ختم ہوگئی اور شکار کرنے کے قابل نہ رہا۔ ایک لومڑی اس کی ملازم تھی جو اُس کا بچا کھچا شکار کھاتی تھی اور اس پر گذر بسر کرتی تھی۔ جب شیر شکار کرنے کے قابل نہ رہا تو لومڑی بھی پریشان ہوگئی۔ ایک دن بھوک سے تنگ آکر شیر سے کہا۔

"جہاں پناہ! آپ کی بیماری نے اس جنگل کے تمام جانوروں کو پریشان اور اُداس کردیا ہے اور تمام رعایا کو آپ کی کمزوری کا احساس ہوگیا ہے۔ کہیں کوئی جانور اس کا غلط فائدہ نہ اُٹھائے۔ آپ اس بیماری کا کسی اچھے طبیب سے علاج کیوں نہیں کرواتے؟"

شیر نے جواب دیا۔

" میں خود ایک عرصے سے اس غم میں گھلا جارہا ہوں۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر اس کا کیا علاج کروں؟ کیونکہ میں اس سلسلے میں کئی حکیموں کو دکھا چکا ہوں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا؟ البتہ ایک طبیب جس پر مجھے بڑا اعتماد ہے، اُس نے کہا ہے کہ گدھے کے دل اور کان کھانے سے یہ کھجلی دُور ہوسکتی ہے۔ اس وقت سے میں اسی فکر میں ہوں کہ کسی طرح گدھا ہاتھ آئے تاکہ میں اس مصیبت سے نجات پاؤں۔"

لومڑی نے کہا ــــ اگر آپ اجازت دیں تو ناچیز کوئی تدبیر سوچے۔ اُمید ہے آپ کو شفا حاصل ہوگی۔"

شیر نے کہا ــــ "تم نے کیا تدبیر سوچی ہے؟ اور کس بہانے مجھے گدھے کے پاس لے چلوگی؟"

لومڑی نے کہا ــــ "بادشاہ سلامت! آپ کو اس حالت میں باہر نہیں آنا چاہیئے۔ کیونکہ آپ کے بدن پر ایک بال بھی نہیں بچا ہے اور کمزوری سے آپ کا جاہ و جلال بھی ختم ہوگیا ہے۔ اگر رعایا آپ کو اس حال میں دیکھے گی تو آپ کی بادشاہی کے لیے یہ بات نقصان دہ ثابت ہوگی۔ مناسب یہی ہے کہ میں گدھے کو کسی بہانے

اس جنگل میں لے آؤں اور آپ اس کا شکار کریں اور اس میں سے جتنا کچھ چاہیں کھائیں۔"

شیر نے کہا۔ "تم گدھے کو کس طرح اور کہاں سے لاؤگی ؟"

لومڑی نے جواب دیا۔ "اس جنگل کے قریب سے ایک ندی بہتی ہے۔ ایک دھوبی روزانہ وہاں کپڑے دھونے آتا ہے اور اس کا گدھا جس پر وہ کپڑے لادکر لاتا ہے، وہیں چرتا رہتا ہے۔ اس کو کسی طرح دھوکا دے کر اس جنگل میں لے آؤں گی۔ لیکن آپ صرف اس کے کان اور دل کھائیں اور بچا ہوا گوشت اس ناچیز کو عنایت فرمائیں۔"

شیر نے اس کی بات قبول کرلی۔ لومڑی فوراً ندی کی طرف روانہ ہوئی۔ گدھے کو دیکھتے ہی دور سے آداب بجا لائی اور نہایت نرمی سے کہا۔

"بھائی جان کیا وجہ ہے جو آپ اتنے غمگین نظر آرہے ہیں ؟"

گدھے نے کہا۔ "یہ دھوبی کم بخت مجھ سے مسلسل کام لیتا رہتا ہے اور میری دیکھ ریکھ برابر نہیں کرتا۔ میں گھاس نہ ملنے کے غم میں گھلا جا رہا ہوں اور اُسے ذرّہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ ممکن ہے میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔"

لومڑی نے کہا۔ "آپ تو ماشاءاللہ بڑے عقل مند ہیں۔ اگر خدا

نے طاقت دی ہے تو پھر کس لیے یہ مصیبت اٹھاتے ہیں ؟"

گدھے نے کہا ـــ " میں بوجھ ڈھونے میں مشہور ہوں ۔ جہاں بھی جاؤں گا مجھے اس بلا سے چھٹکارا نہ ملے گا اور جب یہی نصیب میں لکھا ہے تو بہتر یہی ہے کہ دھوبی کے در پر ہی پڑا رہوں ۔ در بدر پھرنے سے کیا فائدہ ؟"

لومڑی نے کہا ـــ " آپ غلط سوچتے ہیں ۔ کیا آپ کو علم نہیں ؟ خدا فرماتا ہے کہ " میری زمین وسیع ہے ۔ تم اُس کی سیر کرو " یہ بات آپ جیسے بہادر لوگوں کے لیے ہی کہی گئی ہے ۔"

گدھے نے کہا ـــ " کوئی کتنے ہی ہاتھ پاؤں کیوں نہ مارے اُسے اُتنا ہی ملے گا جتنا اُس کے مقدر میں ہے ۔ پھر لالچ کرنا اور اپنے اُوپر مصیبتیں لادنا بے وقوفی ہے ۔"

لومڑی نے کہا ـــ " یہ قناعت پسندی تو فقیروں کی خصوصیت ہے مگر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ ہر مشکل کو حل کرنے والا ہے ۔ جو کوشش کرے گا اللہ اُس کی مدد ضرور کرے گا ۔ آپ سے پہلے بھی ایک روز گدھے سے میری ملاقات ہوئی تھی جو آپ سے زیادہ کمزور تھا ۔ جب میں نے اُسے دیکھا تو اس پر اپنی عادت کے مطابق ترس آگیا ۔ میں نے اسے اس جنگل میں پہنچا دیا ۔ وہاں کھا پی کر اَب

فراغت سے رہ رہا ہے اور اس کی صورت ہی بدل گئی ہے۔ آپ بھی اگر وہاں چلیں تو آرام سے رہیں گے اور میں نے یہ بات صرف ہمدردی میں کہی ہے، ورنہ مجھے کیا پڑی ہے۔"

لومڑی نے ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ گدھا اُس کے بہکاوے میں آگیا اور اُس کے ساتھ جنگل کو روانہ ہوا۔ لومڑی اُسے شیر کے پاس لے آئی۔ شیر نے بے تاب ہوکر فوراً اس پر پنجہ مارا۔ گدھا زخمی ہوکر بھاگا۔ شیر کمزوری کی وجہ سے اُسے پکڑ نہ سکا۔ لومڑی کو بڑا غصّہ آیا۔

بولی ــــ آخر آپ کو اس کام میں اتنی عُجلت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسے کام میں جلدی دکھانا بے وقوفی ہے۔ یہ بات بادشاہوں کو زیب نہیں دیتی۔"

لومڑی کی باتیں شیر کو ناگوار معلوم ہوئیں۔ غصّہ دکھاتے ہوئے بولا ــــ "نوکروں کو بادشاہوں کے کام میں دخل نہیں دینا چاہیے ــــ بادشاہ جو کچھ کرتے رہیں، رعایا اُس کی مصلحت سے واقف نہیں ہوتی۔ تم اس بات کو بھول جاؤ اور پھر کسی تدبیر سے گدھے کو یہاں واپس لاؤ۔ میں اس خدمت کے عوض تمہارا عہدہ بڑھادوں گا" ــــ

لومڑی دوبارہ گدھے کے پاس آئی اور کہا۔

"بھائی جان! اتنے عقل مند ہوتے ہوئے بھی آپ صرف اس جادوئی شیر سے گھبرا کر وہاں سے بھاگ آئے۔ وہ تو ایک قسم کا طلسم ہے۔ جو عقلمندوں نے جانوروں کی تفریح کے لیے بنایا ہے۔ یہ جنگل اتنا خوبصورت ہے کہ جنت سے کم نہیں۔ اگر اس میں یہ طلسم نہ ہوتا تو ہر جانور اسی میں آکر بس جاتا اور اس طرح اُس کی رونق اور حسن ختم ہوجاتا۔ اسی وجہ سے عقل مندوں نے یہ طلسم رکھا ہے تاکہ سوائے جاننے والوں کے اس میں اور کوئی داخل نہ ہو۔ اگر کوئی آئے بھی تو اس سے ڈر کر بھاگ جاتے۔ جیسا کہ آپ بھاگ آئے۔ یہ تو سوچا ہوتا کہ میں آپ کے ساتھ تھی۔ اگر کچھ ہوتا تو پہلے مجھ جیسی کمزور کے ساتھ ہوتا۔ اگر وہاں شیر ہوتا تو وہ مجھے کیسے چھوڑ دیتا۔ میں تو دن رات اس جنگل میں پھرتی ہوں اور آپ بھی اتنے طاقت ور نہ تھے کہ اتنی آسانی سے شیر کے پنجے سے چھوٹ جاتے۔ آپ نے میرے دوستوں میں میری ہنسی اڑوائی ہے۔ اب سب میرا مذاق اڑائیں گے کہ تم اپنے دوست کی عقل مندی کے قصیدے پڑھتی تھیں اور وہ تو ذرا سے جادو سے ڈر گیا۔ میں پہلے ہی آپ کو اس بات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی لیکن باتوں میں بھول گئی۔ اب میرے ساتھ چلیے۔ تاکہ میں سب باتیں پہلے سے ہی بتاتی جاؤں۔"

بے وقوف گدھا پھر لومڑی کی باتوں میں آکر اُس کے ساتھ روانہ ہوا۔ لومڑی نے دو چار قدم آگے بڑھ کر شیر کو اُس کے آنے کا پیغام دیا۔ اور ہدایت کی "ذرا سی بھی حرکت نہ کرنا۔ بالکل خاموش پڑے رہنا اور جب تک موقع نہ ملے اور طاقت محسوس نہ ہو، اس پر حملہ نہ کرنا۔" شیر نے لومڑی کی بات پر عمل کیا۔ جب گدھا شیر کے نزدیک آیا۔ لومڑی نے کہا— "دیکھو یہ وہی جادوئی شیر ہے، ذرا بھی نہ ڈرنا۔ یہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

گدھا بے خوف ہو کر شیر کے گرد چرتا رہا۔ شیر نے ذرا سی بھی حرکت نہ کی۔ گدھا چونکہ ایک عرصے سے بھوکا تھا۔ لہٰذا خوب پیٹ بھر کر گھاس کھائی اور پھر اسی جگہ سو گیا۔

شیر نے گدھے کو سوتا پاکر اس پر حملہ کیا اور اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا اور لومڑی سے کہا— "تم اسی جگہ بیٹھی گدھے کی نگرانی کرتی رہو۔ میں ابھی نہا دھو کر آتا ہوں اور پھر اس کے کان اور دل کھاؤں گا تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس بیماری سے چھٹکارا پاؤں—"

جب شیر نہا کر واپس لوٹا تو دیکھا کہ گدھے کے کان اور دل غائب ہیں۔ لومڑی انھیں پہلے ہی چٹ کر گئی تھی۔ شیر نے لومڑی سے پوچھا۔

"اس گدھے کے کان اور دل کہاں ہیں؟"

لومڑی نے کہا ـــ "بادشاہ کی عمر دراز ہو۔ یہ گدھا نہ دل رکھتا تھا اور نہ کان۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر دل ہوتا تو دل عقل کی جگہ ہے۔ اس میں عقل ہوتی اور اگر اس میں عقل ہوتی تو میری باتوں میں دوبارہ نہ آتا۔ اور اگر کان ہوتے تو کان سننے کی جگہ ہے۔ آپ کا حملہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ پھر میری بات کو نہ سنتا اور خود اپنے پاؤں سے چل کر اس قبر میں نہ آتا۔"

# 44

# آدھی خوشی

کسی بادشاہ کے دربار میں ایک گویا تھا۔ جس کی آواز بہت دلکش تھی۔ بادشاہ اُسے بے حد پسند کرتا تھا اور ہر روز اس سے کچھ گیت سُنا کرتا تھا۔ اس گویّے نے ایک ذہین غلام کی پرورش کی تھی، اور اُسے گانے بجانے کی تعلیم دی تھی۔ کچھ دنوں بعد وہ اپنے اُستاد سے آگے بڑھ گیا۔ جب بادشاہ کو اُس غلام کے کمال کا علم ہوا تو بادشاہ نے اُسے بُلا کے اُس کا گانا سُنا اور اُس پر کافی مہربان ہوا۔ یہاں تک کہ وہ بادشاہ کا خاص ندیم ہوگیا۔ بادشاہ ہمیشہ اسی کے گیت سُنا کرتا تھا۔ اور ہر روز اُس کی قدرومنزلت میں اضافہ کرنے لگا۔ اس لیے اس کے اُستاد کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ آخرکار ایک دن اس نے اس غلام کو قتل کردیا۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو حکم دیا کہ

گویے کو حاضر کیا جائے۔ جب گویّا حاضر ہوا تو بادشاہ نے اُس سے کہا۔ "کیا تو نہیں جانتا کہ میں نشاط پرست ہوں اور میری نشاط و خوشی دو ہی چیزوں میں تھی۔ ایک محفل میں تیرا گانا، دوسرے تنہائی میں غلام کا ساز بجانا۔ یہی دونوں چیزیں میری زندگی میں تھیں۔ تو نے کیا سوچ کے میری آدھی خوشی غم میں تبدیل کر دی؟ سچ بتا کہ تو نے غلام کو کس طرح مارا؟ تاکہ میں تجھے بھی اسی طرح قتل کروں تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور آئندہ پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔"

گویّے نے بادشاہ کی بات سُن کر فوراً کہا۔ "عالم پناہ! یہ حقیقت ہے کہ میں نے بہت بُرا کیا کہ آپ کی آدھی خوشی چھین لی۔ لیکن اب حضور مجھے قتل کر کے اپنی پوری خوشی کیوں ختم کرنا چاہتے ہیں؟"

بادشاہ کو اس کی بات پسند آئی اور اُس نے اُسے معاف کر دیا۔

---

# 45

# درویش اور حلوائی

ایک روز ایک صوفی جو بڑا متقی اور پرہیزگار تھا۔ ایک بازار سے
گزرا۔ ایک حلوائی جو اُس کا معتقد تھا۔ اس سے درخواست کی کہ وہ کچھ
دیر کے لیے اس کی دوکان میں آکر بیٹھے۔ دُرویش نے اُس کی درخواست
قبول کی اور وہاں آبیٹھا۔ حلوائی نے عقیدتاً ایک طشتری میں تھوڑی
مٹھائی پیش کی۔ مکھیوں نے جیسے ہی مٹھائی کو دیکھا اس پر منڈلانے
اور بھنبھنانے لگیں۔ بعض طشتری کے آس پاس بھنبھنا رہی تھیں بعض
اس کے کناروں پر بیٹھی تھیں اور بعض مٹھائی پہ بیٹھنے لگیں۔ جب حلوائی
نے دیکھا کہ مکھیاں حد سے زیادہ ستا رہی ہیں تو اُس نے پنکھا جھل کر
انھیں اُڑانا شروع کیا۔ جو مکھیاں طشتری کے کنارے بیٹھی ہوئی تھیں
فوراً اُڑ گئیں اور دُور چلی گئیں اور وہ جو طشتری کے بیچ مٹھائی پہ بیٹھی

تھیں اُن کی ٹانگیں مٹھائی میں چپک گئیں اور انھوں نے اُڑنا چاہا تو نہ اُڑ سکیں کیونکہ اُن کے پیروں میں مٹھائی کا شیرہ لگ گیا تھا۔ لہٰذا وہ شیرہ میں ڈوب کر مرگئیں۔ یہ بات دیکھ کر درویش خوشی سے چلّایا اور ایک نعرۂ مستانہ لگایا۔ جب وہ خاموش ہوا تو حلوائی نے اس کی وجہ دریافت کی۔ درویش نے کہا— "اے میرے عزیز! سُن اس مٹھائی کی طشتری اور ان مکھیوں کو دیکھ کر ایک حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی۔ وہ یہ کہ دنیا ایک طشتری کی مانند ہے اور یہاں کی نعمتیں مٹھائی کی طرح میٹھی ہیں۔ ان نعمتوں سے لذّت حاصل کرنے والے مکھیوں کی طرح ہیں۔ ان میں سے بعض مکھیوں کی طرح کنارے پر بیٹھے ہیں۔ قناعت پسند اور توکّل گُذار ہیں کہ اس دُنیا سے تھوڑا مزا اُٹھا کر صبر وشکر کرتے ہیں اور وہ جو بعض مکھیوں کی طرح طشتری کے بیچ بیٹھے ہیں، وہ حریص اور لالچی لوگ ہیں، اور دُنیا کی لذتوں سے لُطف اُٹھانے پر بھی اُن کا جی نہیں بھرتا— عزرائیل اُن کو گمراہی کا پنکھا جھلتا ہے تو وہ لوگ جو کنارے بیٹھے ہیں، ہٹ جاتے ہیں اور محفوظ ہوجاتے ہیں، مگر وہ جو درمیان میں ہیں، ہرچند کوشش کرتے ہیں کہ اس سے بچ نکلیں لیکن اُن کے قدم اندر کو دھنستے چلے جاتے ہیں اور گناہوں کے دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔"

## 46

# فطرت نہیں بدلتی

ایک بھکارن جو بہت حسین و خوبصورت تھی، در در بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھرتی تھی۔ ایک دن اتفاق سے کسی بادشاہ کا گزر وہاں سے ہوا۔ اس کی نظر بھکارن پر پڑی۔ اگرچہ وہ میلے کچیلے کپڑوں میں تھی مگر بادشاہ سے اُس کا حُسن چھُپا نہ رہ سکا۔ پہلی ہی نظر میں وہ اُسے پسند آگئی۔ اُس نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ اس عورت کو شاہی سواری میں سوار کرکے محل میں لے آؤ اور مشاطہ سے کہو کہ اُسے نہلا دُھلا کے اور سجا سنوار کے ہمارے سامنے پیش کرے۔ بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ جب وہ بھکارن عمدہ قسم کے لباس اور آرائش کے ساتھ بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو وہ اس پر فریفتہ ہوگیا۔ فوراً اس کو اپنی ملکہ، بنالیا۔ اب وہ بھکارن عیش و آرام کے ساتھ محل میں رہنے لگی۔ بادشاہ

نے اُس کے لیے کسی چیز کی کمی نہ کی ۔ وہ اُسے بڑے پیار محبت اور آرام سے رکھتا تھا مگر اس کے باوجود وہ روز بروز دُبلی اور کمزور ہوتی چلی گئی ۔

ایک دن بادشاہ نے اس سے پوچھا ۔ کیا بات ہے جو تم اتنی کمزور ہوتی جارہی ہو ؟ کیا تمہاری عشرتوں میں کوئی کمی رہ گئی ہے ؟ آخر تمہیں کون سا غم ہے ؟ جو اس طرح کھاتے جارہا ہے ؟ اگر کوئی بیماری ہو تو اُس کا علاج کیا جائے اور کوئی غم ہو تو اُسے بھی دُور کیا جائے ۔"

بھکارن نے کہا ــــ " جہاں پناہ ! نہ مجھے کوئی غم ہے اور نہ کوئی بیماری ۔ آپ صرف اتنا کیجیے کہ مجھے اپنے ساتھ کھانا کھانے پر مجبور نہ کریں بلکہ میرا کھانا الگ لگایا جائے اور میں سب سے الگ تھلگ کھانا کھاؤں ۔ اس کے بعد میں کمزور نہ ہوں گی ۔"

بادشاہ نے حکم دیا اور اس کا کھانا علیحٰدہ آنے لگا ۔ اس کے بعد وہ روز بروز صحت مند اور تندرست ہونے لگی ۔ بادشاہ نے خادموں سے پوچھا ــــ " آخر یہ الگ کھانے میں کیا کرتی ہے ؟"

انھوں نے عرض کیا ــــ " ہمیں اس کا علم نہیں ۔ بس اتنا معلوم ہے کہ جب کھانا آتا ہے تو وہ اسے طاقوں میں چنوا دیتی ہے ، اور کھڑکیوں کے پردے ڈلوا دیتی ہے ۔ اس کے بعد ہمیں نہیں معلوم کہ کیا

کرتی ہے؟ اور کس طرح کھاتی ہے؟"

ایک دن جب وہ کھانے میں مشغول تھی، بادشاہ نے چھپ کے پردے کے پیچھے سے جھانکا تو کیا دیکھتا ہے کہ بھکارن باری باری ہر طاق کے سامنے آتی ہے اور کہتی ہے "خدا کی راہ میں ایک ٹکڑا دو" اور پھر اس میں سے ایک لقمہ کھا لیتی ہے۔ پھر دوسرے طاق کے پاس جاتی ہے اور کہتی ہے "اللہ کے نام پہ ایک نوالہ دو" اس میں سے بھی ایک لُقمہ کھا لیتی ہے۔ اسی طرح سب طاقوں سے مانگتی پھرتی ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے کہ کنیزوں کو آواز دیتی ہے کہ وہ کھانا واپس لے جائیں۔ اور ہاتھ منہ دھو کر باہر آ جاتی ہے۔ جب بادشاہ نے یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ ابھی تک اُس کی بھیک مانگنے کی عادت نہیں گئی۔ اُس نے اسی دن اُسے محل سے نکال دیا اور پھر کبھی اُس کا نام نہ لیا۔

# فرہنگ الفاظ

## الف

آرائش — سجاوٹ

اَجل — موت

اشتعال — غصہ

اسرافِ بے جا — فضول خرچی

اعتدال — برابر کرنا، میانہ روی

اقبال مندی — خوش قسمتی

اندیشہ — ڈر۔ فکر

## ب

بداصل — نیچ

بدعہدی — وعدہ توڑنا

بلا تامل — بے جھجک، بے سوچے

بقا — باقی، موجودگی

بے دریغ — بے پچھتائے، بغیر افسوس کیے

## پ

پاداش — سزا

پاش پاش ہونا — ٹکڑے ٹکڑے ہونا

پس انداز — بچانا

پوشیدہ — چھپا ہوا

پیروی — پیچھے چلنا، اتّباع

## ت

تاخیر کرنا — دیر کرنا

| | |
|---|---|
| تازیانہ | کوڑا |
| تریاق | زہرمہرہ۔ زہر کا توڑ کرنیوالی دوا |
| تن آسانی | راحت، کاہلی |
| تندخو | غصہ ور۔ تیزمزاج |
| تہ تیغ کرنا | قتل کرنا |
| توانائی | طاقت |
| توکل | اللہ پر بھروسہ کرنا |

### ج

| | |
|---|---|
| جفا پیشہ | ظالم |

### چ

| | |
|---|---|
| چرب زبانی | باتیں بنانا شیریں زبانی |

### ح

| | |
|---|---|
| حاجت روائی | حاجت پوری کرنا |
| حلب | ملک شام |

### خ

| | |
|---|---|
| خدا ترس | خدا سے ڈرنے والا |
| خلعت | لباس، پوشاک |
| خلق | لوگ۔ عوام |

### د

| | |
|---|---|
| دادخواہ | فریادی |
| دادرسی | انصاف کرنا |
| درپیش ہونا | سامنے آنا |
| درپے ہونا | پیچھے پڑجانا |
| دست گیری | مدد کرنا |

### ر

| | |
|---|---|
| راغب ہونا | رغبت رکھنا |
| رزّاقِ عام | تمام انسانوں کو رزق دینے والا۔ |
| رفاقت | دوستی۔ ساتھ |
| رگِ حمیت پھڑکنا | دل میں غیرت جاگ جانا |
| روشن ضمیر | روشن دِل |
| رونما ہونا | ظاہر ہونا۔ دِکھائی دینا |

### ز

| | |
|---|---|
| زمام | لگام |

## س

| | |
|---|---|
| ستم گر | ظالم |
| سربرآوردہ | بڑے لوگ |
| سرتابی کرنا | منہ موڑنا، حکم نہ ماننا |
| سرزد ہونا | واقع ہونا |

## ش

| | |
|---|---|
| شارعِ عام | عام راستہ |
| شرعاً | شرع کے اعتبار سے |
| شعلہ فشاں | شعلے بھڑک اٹھنا |
| شہرہ | شہرت |
| شیوہ | عادت۔ طریقہ |

## ض

| | |
|---|---|
| ضرر | نقصان |

## ع

| | |
|---|---|
| عادل | انصاف پسند |
| عجلت پسندی | جلدی کرنا |
| عذر | بہانا۔ معافی |
| عزرائیل | موت کا فرشتہ |
| عشرت | خوشی |
| عظمت | بلندی، بڑائی |
| عقبیٰ | آخرت |
| عوض | بدلہ |
| عہد شکنی | وعدہ توڑنا |
| عیال دار | بال بچوں والا |

## ف

| | |
|---|---|
| فانی | فنا ہونے والا |
| فراہم کرنا | اکٹھا کرنا |
| فریفتہ ہونا | شیدا ہونا |
| فراغت | فرصت |

## ق

| | |
|---|---|
| قابلِ نفرین | نفرت کے قابل |
| قاصر ہونا | کوتاہی کرنا، مجبور ہونا |
| قدم رنجہ فرمانا | تشریف لانا |
| قدر و منزلت | عزت۔ مرتبہ |

قصاص — جان کا بدلہ جان

قفسِ عنصری — انسانی جسم

قناعت — تھوڑی چیز پر رضامندی

## ک

کارگر — کام کرنے والی چیز۔ فائدہ مند

کافور ہونا — غائب ہونا۔ چلے جانا

کمین گاہ — چھپ کر بیٹھنے کی جگہ

## گ

گرداب — بھنور

گفتار — بات چیت

## ل

لاحاصل — جس کا کوئی حاصل نہ ہو

لامحالہ — مجبوراً

## م

متقی — پرہیزگار۔ عبادت گذار

محتاط — احتیاط کرنے والا

مخفی — پوشیدہ۔ چھپا ہوا

مستفیض — فیض پانے والا

مشاطہ — نائن، سنگھار کرانے والی عورت

مصائب — مصیبت کی جمع

مطعون — جسے طعنہ دیا جائے۔

مظلوم — جس پر ظلم کیا جائے۔

معاملہ فہم — معاملات کو سمجھنے والا

معزز — عزت والا

مقتول — جسے قتل کیا گیا ہو

میزبان — صاحبِ خانہ۔ مہمان نواز

## ن

ندامت — شرمندگی

ندیم — دوست

نشاط پرست — خوشیاں چاہنے والا۔ عیش پرست۔

نقب لگانا — دیوار میں سوراخ کر کے چوری کرنا۔

نیل گوں — نیلے رنگ کا

## و

| | |
|---|---|
| وابستہ | متعلق |

## ھ

| | |
|---|---|
| ہم جنس | ایک جنس والے |
| ہُما | ایک خیالی پرندہ جس کے متعلق مشہور ہے کہ جس کسی کے سر پر اُس کے پروں کا سایہ پڑ جاتا ہے، وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ |

# قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

نوٹ: طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

ISBN: 81-7587-267-5
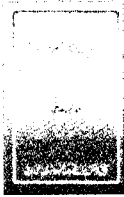
क़ौमी काउन्सिल बराए फ़रोग़-ए-उर्दू ज़बान
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
National Council for Promotion of Urdu Language
West Block-I, R.K. Puram, New Delhi-110 066